اترپردیش اردواکادمی
उत्तर प्रदेश उर्दू अकादमी

خبرنامہ

ماہنامہ اُترپردیش اُردواکادمی لکھنؤ

مئی ۲۰۲۴ء

سکریٹری اردواکادمی، ایس۔ مناظر عادل حسن اردو میڈیا سنٹر میں ریڈیو جاکی وریڈیو ٹکنالوجی سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا وطالبات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے۔

آکاش وانی الموڑہ کے سابق اسٹیشن ڈائرکٹر جناب پرتل جوشی کے ساتھ
ریڈیو جاکی و ریڈیو ٹکنالوجی سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا و طالبات

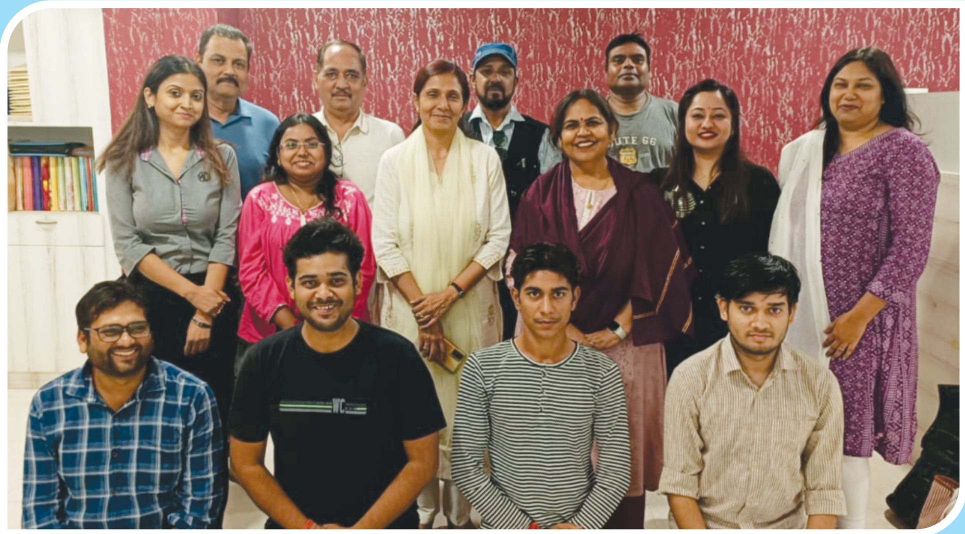

آکاش وانی لکھنؤ کی اسسٹنٹ انجینئر محترمہ دِویا سری واستو کے ساتھ
ریڈیو جاکی و ریڈیو ٹکنالوجی سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا و طالبات

اتر پردیش اردو اکادمی

خبرنامہ

جلد : ۵۲ مئی ۲۰۲۴ء شمارہ : ۱۱

ایڈیٹر : **ایس۔مناظر عادل حسن** (سکریٹری)

معاون : **محمد معاذ اختر احسن** (سپرنٹنڈنٹ)

زرِ سالانہ : پچاس روپے -/50

قیمت فی شمارہ : پانچ روپے -/5

upurduakademi3@gmail.com

www.upurduakademi.in

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ

سکریٹری، اتر پردیش اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ،

گومتی نگر، لکھنؤ-226010

فون نمبر:0522-4022924

ایس۔مناظر عادل حسن، سکریٹری، ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر نے امپریشن پرنٹ ہاؤس، لاٹوش روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ سے شائع کیا۔

ترتیب

اداریہ	ایڈیٹر	۲
اردو کا عمر خیام: جوشؔ ملیح آبادی	ڈاکٹر فخر الکریم	۳
رباعیات	فاروقؔ جائسی	۷
البیلا اور انوکھا شاعر: جمیل مظہریؔ	پروفیسر اسلم جمشید پوری	۸
غزل	انور حسین انجم	۱۲
غزل	ڈاکٹر ذکی طارق	۱۲
ظفر صدیقی کی نعتیہ شاعری	سلطان آزاد	۱۳
غزل	شریفؔ قریشی	۱۷
غزل	انس مسرورؔ انصاری	۱۷
وجاہت علی سندیلوی کا شعری...	ڈاکٹر سعید احمد	۱۸
غزل	معید رہبرؔ	۲۳
جوہی کی کلی مسکائی	فرزانہ پروین	۲۴
غزل	اسلم محمود	۲۷
غزل	عرفانؔ لکھنوی	۲۷
تلاش	اکرام الدین شبنم	۲۸
غزل	مسعودؔ محمود آباد	۳۰
نو دو گیارہ	ندیم راعی	۳۱

●●●

اداریہ

مادیت کے اس دور میں ہر چیز کمرشیل نقطۂ نظر سے دیکھی جا رہی ہے سماج میں یہ روش عام ہے۔ ظاہر ہے کہ ادب اور اس سے وابستہ افراد بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں یہی وجہ ہے کہ شعر و ادب کو منفعت بخش بنانے کی کوشش میں ادب سے وابستہ لوگ بھی لگے ہیں جو ادب کے مقاصد اور اس کی اہمیت کو زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس مزاج والے بعض شعرا و ادبا بس پیسہ حاصل کرنے کی غرض سے کتابیں شائع کرانا، جوڑ توڑ کر کے ایوارڈ و انعام حاصل کرنا اور کسی سوسائٹی کا رجسٹریشن کرا کے سیمنار و مشاعرہ کا انعقاد کرانا ایک معمول بن گیا ہے۔

نئی نسل کے وہ شعرا جو اردو لکھنا پڑھنا بھی قاعدے سے نہیں جانتے ان کے شعری مجموعے شائع ہو رہے ہیں۔ اپنے گلے بازی اور ترنم کے ذریعہ مشاعروں میں ان کی مانگ بھی رہتی ہے۔ ان میں بعض شعرا تو مالی فائدے کی غرض سے اور بعض اپنی قدر و قیمت میں اضافہ کے لیے اپنے اعزاز میں پروگرام کراتے ہیں۔ اب نثر نگار زیادہ تر تنقیدی و تحقیقی مضامین تحریر کرنے کے بجائے ایک نیا انداز اپنا رہے ہیں۔ کسی عنوان پر چند مضامین یکجا کر لینا اور انھیں سرکاری یا نیم سرکاری اداروں سے شائع کرانا۔ اگر اپنے شائع مضامین ترتیب دے رہے ہیں تو اچھی بات لیکن گھسے پٹے موضوعات پر چند رسالوں سے مضامین لے کر چھپا لینا اور اپنی کتابوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہی ان کا مقصد ہوتا ہے۔ اب سنئے آج کے سیمناروں کی حالت۔ سوسائٹی کے نام پر اردو اداروں سے رقم حاصل کر کے پروگرام کا انعقاد۔ ان سیمناروں میں وہ حضرات ہی پیش پیش رہتے ہیں جو مطالعہ بہت کم کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نمایاں ہونے کے لیے جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں۔ شہر کی کسی ادبی شخصیت سے صدارت کرا کر، چند مقالے پڑھا کر، چائے ناشتے کے بعد سیمنار کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے پروگراموں سے اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ خبر اردو کے اخبارات میں شائع ہو جائے اور سوشل میڈیا پر کلپ بھی چلائی جائے جیسے کہ کون سا تیر مار لیا ہے۔

اگر اردو کے بہی خواہ حضرات جو اردو زبان و ادب کے لیے مسلسل کوشاں ہیں، اس روش کی مخالفت نہیں کرتے تو وہ دن دور نہیں کہ اردو زبان و ادب کا تذکرہ ان زبانوں جیسا ہوگا جو بڑی زبانیں تھیں لیکن آج ان کا وجود ہی ختم ہو گیا۔

اس لیے ضروری ہے کہ اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے خود سامنے آئیں۔ اپنے گھروں سے اس مہم کا آغاز کریں کہ میرے گھر کے بچے اور گھر کے سبھی افراد اردو پڑھیں، لکھیں اور بولیں۔ اگر ان پہلوؤں پر غور نہیں کیا گیا تو اردو زبان کا آہستہ آہستہ روبہ زوال ہونا ہی اس کا مقدر بن جائے گا۔ آیئے ہم عہد کریں کہ آج سے ہی اپنے گھروں میں اردو کا ایک اخبار اور بچوں کا ایک رسالہ منگانا شروع کریں گے اور گھر میں اردو کا ماحول بنائیں گے تاکہ یہ زبان نہ صرف زندہ رہ سکے بلکہ ترقی بھی کرتی رہے۔

ایس۔ مناظر عادل حسن

ایڈیٹر

ڈاکٹر فخر الکریم
گلاب باڑی کالونی، پریاگ راج
Mob. 9335118380

اردو کا عمر خیّام: جوشؔ ملیح آبادی

بیسویں صدی کے اردو شعرا میں جوشؔ ملیح آبادی ایک قدآور شخصیت کے مالک ہیں۔ گذشتہ صدی میں انھیں جو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی وہ اس دور کے دوسرے شعرا کو کم ہی نصیب ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ جوشؔ کے کلام کے حسن و قبح سے بحث کی جا سکتی ہے، ان کے فکر و خیالات پر سوالیہ نشان لگائے جا سکتے ہیں لیکن ان کی شاعری کو سرسری اور کھوکھلی کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے ذکر کے بغیر اردو شاعری کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے۔ ان کا سخت ترین مخالف بھی ان کی فنی پختگی، تراکیب کی چستی، علوئے فکر، نزاکت خیال اور بندش الفاظ کا لوہا مانتا ہے۔

جوشؔ کی شاعری کی ابتدا غزلوں سے ہوئی۔ انھوں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں وہاں غزل گوئی کو ہی اہمیت حاصل تھی لیکن بیسویں صدی کی ابتدا میں حالیؔ اور آزادؔ کے زیرِ اثر نظم نگاری کو بھی کافی فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں سلیم پانی پتی کے مشورے سے جوش نے بھی غزل کے تنگنائے سے نکل کر نظم کے وسیع و عریض میدان میں قدم رکھا۔ بلاشبہ وہ نظم کے بڑے شاعر ہیں۔ غزل اور نظم کے بعد جوشؔ نے سب سے زیادہ توجہ رباعی ہی پر مرکوز کی۔ ان کی رباعیوں کا ایک مجموعہ ۱۹۳۷ء میں ''جنون و حکمت'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ دوسرے مجموعوں میں بھی ان کی کچھ رباعیاں شامل ہیں۔

رباعی بھی ہماری ایک اہم صنف سخن ہے اور دوسری اصنافِ سخن کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اختصار اور ایجاز کا تقاضا کرتی ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جب شاعر اپنے افکار و تجربات کو مختلف اصنافِ سخن میں صرف کر چکا ہوتا ہے اور اس کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہیں رہتا تو وہ اپنی استادی کو قائم رکھنے کے لیے رباعی کا سہارا لیتا ہے اور اپنی قادرالکلامی کا سکّہ جماتا ہے لیکن یہ خیال بھی اتنا غلط ہے جتنا کہ یہ تصور کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے۔ چار مصرعوں کے اندر سمندر کو کوزہ میں سمو دینا کوئی آسان کام نہیں اور جب تک فن پر مکمل قدرت حاصل نہ ہو اچھی رباعی تخلیق کرنا ممکن نہیں۔ رباعی کے پہلے تین مصرعے دراصل ایک کمان کی طرح ہوتے ہیں جن پر رکھ کر چوتھے مصرع کا تیر سامع کے دل میں پیوست کر دیا جاتا ہے۔ جوشؔ نے ہندوستانی تہذیب و تمدن، حسن و عشق، نظامِ اخلاق، انسان دوستی، انسان کی عظمت و حرمت، تصوف کے نکات، خمریات، علم و آگہی اور ہندوستان کے سیاسی اور سماجی حالات کا ایسا اظہار ان رباعیوں کے ذریعہ کیا ہے کہ وہ ان کی قادرالکلامی پر دلالت کرتا ہے۔

جوشؔ رومانی طرزِ فکر کے شاعر ہیں۔ رومان کا لفظ بڑے وسیع مفہوم کا حامل ہے لیکن اگر اس سے صرف حسن و عشق ہی مراد لیا جائے تو ان کی رومانی رباعیاں حسنِ فطرت اور حسنِ انسانی کے شدید ترین احساس کی حامل ہیں۔ یہ رباعیاں عشق کی گوناگوں کیفیات، مشاہدات، تجربات، متنوع احساسات سے عبارت ہیں۔ ان میں بے خودی و سرشاری اور کیف و سرمستی کا ایک ایسا احساس بھی شامل ہے جو اردو کی عشقیہ شاعری میں کم ہی نظر آتا ہے۔ان رباعیوں میں زیادہ تر حسن کی ہی عکاسی کی گئی ہے۔انھوں نے محبوب کے سراپا کو صدہا زاویوں سے دیکھا ہے اور حسن کی مختلف صورتوں اور حالتوں کا بھی جائزہ لیا ہے اور بعض رباعیوں میں ایسی دلچسپ اور مترنم تصویریں پیش کی ہیں جو فراقؔ کے علاوہ اور کہیں نظر نہیں آتی ہیں۔ ڈھلکی ہوئی رات کی سیاہی کی طرح محبوب کے دوشِ سیمیں پر پڑی ہوئی زلفیں، ہونٹوں کی سرخی اور ان کا خفیف سا اُبھار، گورے گورے گال، آنکھوں میں غلطیدہ گلابی ڈورے، الماس کی کان کی طرح آنکھیں، ارجن کے کمان کی طرح ابرو، دھانی چوڑیاں، پازیب کی جھنکار، گفتار میں بیلے کی کلی کا کھلنا، ساون کی ندی جیسی رفتار غرض کہ محبوب کے سراپا کو پیش کرتے ہوئے انھوں نے نادر تشبیہات اور استعارات کا سہارا لیا ہے اور اس کو ایک نئے رنگ و آہنگ میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

یہ سلسلۂ لامتناہی ہے کہ زلف
گہوارۂ بادہ صبح گاہی ہے کہ زلف
اے مست شباب دوش سیمیں پہ ترے
ڈھلکی ہوئی رات کی سیاہی ہے کہ زلف

چونکا ہے کوئی نگار الٰہی توبہ
رس میں ڈوبا خمار الٰہی توبہ
سکتے میں ہیں بھیروی کی تانیں گویا
ہونٹوں کا خفیف ابھار الٰہی توبہ

....

کیا طرفہ لٹک ہے یار جانی تیری
لب سرخ تو چوڑیاں ہیں دھانی تیری
ہمرل کا تموج ہے تبسم تیرا
رادھا کا لڑکپن ہے جوانی تیری

....

گفتار میں کھل رہی ہے بیلے کی کلی
رفتار میں مڑ رہی ہے ساون کی ندی
چہرے پہ سرور و نور، آنکھوں میں غرور
سرکار نے کیا آئینہ دیکھا تھا ابھی

محبوب کے سراپا کے علاوہ جوشؔ نے فراق و وصال کے لمحات اور ان سے پیدا شدہ کیفیات کا اظہار بھی ان رباعیوں میں کیا ہے۔ساون کا موسم ہے،اودی اودی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور معصوم سلونی ساجن کے ویوگ میں اداس ہے اور بادلوں سے مخاطب ہے۔

ناگن بن کر مجھے نہ ڈسنا بادل
باراں کی کسوٹی پہ نہ کسنا بادل
وہ پہلے پہل جدا ہوئے ہیں مجھ سے
اس دیس میں اب کی نہ برسنا بادل

....

سو بات کی یہ بات آؤ سو جائیں
بدمست ہے خود حیات آؤ سو جائیں
شبنم سے ہے چاندنی کا دامن نمناک
اب بھیگ چکی ہے رات آؤ سو جائیں

پیش کردہ رباعیات میں آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ جوشؔ غیر ضروری تکرار اور لفاظی سے بچتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کر رہے ہیں جو ان کی جمالیاتی حِس کو مکمل طور پر سننے والے کے دل و دماغ تک منتقل کر سکیں۔ ان رباعیوں کے مطالعہ سے ایک بات اور سامنے آتی ہے وہ یہ کہ جوشؔ نے محبوبہ کو جس پس منظر میں پیش کیا ہے وہ خالصتاً ہندوستانی ہے۔ اس طرح یہ تصویریں ماورائی بھی ہیں اور ارضی بھی۔ ان رباعیوں میں ان کا جمالیاتی احساس پوری طرح بیدار نظر آتا ہے۔ یہاں گوشت پوست کی ہندوستانی عورت محبوبہ کی شکل میں اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ہنستی، بولتی، لجاتی اور دل لبھاتی ہوئی دکھائی پڑتی ہے۔ صرف عاشق کے قلب کی واردات اور نفسیاتی کیفیات کے بیان پر ہی قناعت نہیں کر لی گئی ہے۔ بلکہ محبوب کی باطنی کیفیتیں اور ذہنی و جذباتی صورتِ حال کی تمام تر نزاکتیں پوری طرح ان رباعیوں میں اجاگر ہوئی ہیں۔

جوشؔ کی شاعری پر جن ادباء اور شعراء کا اثر نمایاں ہے ان میں فارسی شاعر عمر خیّام سے وہ کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں سید احتشام حسین لکھتے ہیں:

> ''جوشؔ کے مطالعہ میں بعض فارسی کے اساتذہ مثلاً خیّام، عرفی، نظیری، سعدی اور حافظ تھے۔ اور اردو نثر و نظم میں داغ، انیس، سرشار اور شرر کا جادو کام کر رہا تھا۔''

(جوش ملیح آبادی، انسان اور شاعر۔ ص:۲)

اس طرح سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جوشؔ کے یہاں رباعیوں میں جو خمریہ رنگ و آہنگ ہے وہ بہت کچھ عمر خیّام کا مرہونِ منت ہے۔ عمر خیام کے یہاں رندی اور سرمستی کے علاوہ اپنے عہد کے رسم و رواج سے بیزاری اور سماج سے بغاوت کے آثار بھی ملتے ہیں۔ جوش کا رندانہ مزاج بھی انھیں عناصر سے ترکیب پاتا ہے۔ اسی لیے دونوں میں بہت کچھ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جوشؔ کی رباعیوں کے خمریہ پہلو اور اس پر خیام کے اثرات کے متعلق ڈاکٹر فضلِ امام یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ''سیف و سبو میں جوش نے اپنی رباعیات کو پیش کیا ہے۔ ایک عنوان 'خمریات بنام خیام' بھی قائم کیا گیا ہے، جس کے تحت ان رباعیوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جو عمر خیام کے فلسفۂ نشاط و عیش سے متعلق ہیں۔''

(شاعرِ آخرالزماں، جوش ملیح آبادی۔ ص:۹۰۔۹۷)

جوشؔ کی خمریہ رباعیات میں جنون و حکمت کی آویزش اور ایک ایسا تذبذب نظر آتا ہے جو شاعر کے اندر کبھی مایوسی پیدا کرتا ہے، کبھی اسے تاریک فضا میں لے جاتا ہے۔ کبھی روشنی اور پرامید مستقبل کا خواب دکھاتا ہے، کبھی اس میں فلسفی بن کر درس حکمت دینے کا ولولہ دکھائی دیتا ہے، کبھی رند بن کر سب کچھ جام و سبو کے حوالے کر دینے کا حوصلہ، کبھی انسان جاہل و ظالم نظر آتا ہے اور کبھی وہ کائنات کے فاتح کی

شکل میں ابھرتا ہے اور یہی وہ منزل ہے جہاں سے انسان کی عظمت وحرمت اور زندگی کے ارتقا کا عقیدہ جوشؔ کے یہاں راہ پانے لگتا ہے۔ وہ ہر اس خیال، عقیدہ اور نظامِ زندگی کی مخالفت کرتے ہیں جو زندگی اور اس کے ارتقا میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ وہ ریاکارانہ عبادت کو بے روح اور عذاب قرار دیتے ہیں اور زاہد و واعظ کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ انسان اور انسان دوستی ان کے لیے بنیادی اقدارِ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جوش نے خمریہ رنگ و آہنگ میں عقل و دانائی اور علم و جہالت کے موضوعات پر بھی بڑی فنی چابکدستی سے روشنی ڈالی ہے۔ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

مے کش کا سرورِ کج کلاہی بہتر
یا شیخ کا کبرِ حق پناہی بہتر
طاعت بہ ریا و بادہ نوشی بہ خلوص
دونوں میں کون شے الٰہی بہتر

....

حق کو نہ ان اربابِ یقیں سے پوچھو
صوفی سے شیخ درس و دیں سے پوچھو
برداشت کی طاقت ہو تو اسرارِ حیات
رندانِ خرابات نشیں سے پوچھو

....

جھومی تاریک رات میرے دل میں
بدمست ہوئی حیات میرے دل میں
ساقی نے صبو دے کے اٹھایا جو رباب
گُم ہوگئی کائنات میرے دل میں

....

اپنی ہی غرض سے جی رہے ہیں جو لوگ
اپنی ہی عبائیں سی رہے ہیں جو لوگ
ان کو بھی کیا شراب پینے سے گریز
انسان کا خون پی رہے ہیں جو لوگ

....

اک عمر میں ہوتی ہے بصیرت پیدا
کرتا ہے خدا شاذ یہ دولت پیدا
رگ رگ میں تفکر نہ اتر جائے اگر
خود علم سے ہوتی ہے جہالت پیدا

....

اک فتنہ ہے ناقصوں میں کامل ہونا
اک قہر ہے وابستۂ منزل ہونا
تاریخ کے اوراق جو الٹے تو کُھلا
اک جرم ہے احمقوں میں عاقل ہونا

دراصل جوشؔ کی رباعیوں میں لہجہ کی جو معصومیت، بیان کی جو شستگی، تخیلات کی جو پاکیزگی اور الفاظ کی جو تہذیب، نرمی اور لطافت ہے اور سب سے بڑھ کر جو دھیما پن گھلاوٹ، شدت احساس، جسمانیت اور ارضیت ہے اس نے اردو شعرا کو ایک نئی فضا سے آشنا کیا ہے۔ اس بنیاد پر اگر جوش کو گذشتہ صدی میں اردو کا سب سے بڑا رباعی نگار مان لیا جائے تو شاید کسی کو اعتراض نہ ہوگا اور ان کا یہ شعر محض تعلّی نہ ہوگا۔

ادب کر اس خراباتی کا جس کو جوشؔ کہتے ہیں
کہ یہ اپنی صدی کا حافظ و خیام ہے ساقی

❑❑❑

فاروقؔ جائسی
سول لائنس، کانپور-Mob.9839375197

رباعیات

بندوں سے کہاں اس کی محبت کم ہے
بندوں ہی کی اب خوئے عبادت کم ہے
مانگو تو ذرا اس سے عنایت اس کی
کب میرے خداوند کی رحمت کم ہے

....

گنگا جو نہانا ہو تو ہم ساتھ میں جائیں
ہولی کی بہار آئے تو رنگوں میں نہائیں
ہم چاہتے ہیں باہمی نفرت مٹ جائے
عید اور دوالی سبھی اک ساتھ منائیں

....

دل میں ہے بسی میرے ترنگے کی شان
یہ ہندو مسلمان ہیں سب میری جان
موقع تھا مجھے ترکِ وطن کرنے کا
لیکن مجھے پیارا ہے مرا ہندوستان

....

آپس میں لڑانے کا سماں ٹوٹے گا
زہروں میں بجھا زورِ بیاں ٹوٹے گا
یہ دیش تو صوفیوں سنتوں کا ہے
نفرت کا ہر اک تیر یہاں ٹوٹے گا

یارب کچھ بہتری کی صورت مل جائے
مٹی میں ہم سب کی کدورت مل جائے
اب کان پک چکے ہیں بک بک سن کر
اے کاش سیاست کو شرافت مل جائے

....

کیا ذہن میں ہے کس کے بتاتا ہی نہیں
دل صاف ہے یا میلا جتاتا ہی نہیں
ظاہر تو دکھا دیتا ہے آئینہ مگر
باطن کی کوئی شکل دکھاتا ہی نہیں

....

اچھا کہ برا ہے نہیں پہچانتے ہیں
اور کوئی بتائے تو برا مانتے ہیں
افسوس تو یہ ہے جو نہیں جانتے کچھ
وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سب جانتے ہیں

....

اللہ کا فیضان ہے سب ہی کے لئے
زیور سے بھی ذیشان ہے بیٹی کے لئے
اے بیٹیو! مت بھولنا میری یہ بات
تعلیم ضروری ہے ترقی کے لئے

●●●

پروفیسر اسلم جمشید پوری
میرٹھ-Mob.8279907070

البیلا اور انوکھا شاعر: جمیلؔ مظہر سیانوی

اردو شاعری میں ایسے کم شعرا ہوئے ہیں جنہوں نے عوامی زبان میں شاعری کی ہو۔آسان شاعری یعنی سہلِ ممتنع کی شاعری مشکل ہوتی ہے۔یہ برسوں کی ریاضت اور مشق کے بعد آتی ہے۔میرؔ نے جس طرح عام سے لفظوں میں بڑی شاعری کی۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میرؔ کے طرز پر کلیم عاجزؔ نے بھی عام فہم لفظوں میں دل کو چھونے والی بات کہی۔

پہاڑوں کو ہم نے اٹھایا ہے دل پر
تم اک کنکری بھی اٹھا لو، تو جانیں

☆

بازاروں سے مول منگا کر رنگ تو سب بھر لیتے ہیں
کم ہیں جن کو خونِ جگر سے پھول بنانا آوے ہے

کم و بیش ایسی ہی شاعری کرنے والے میرٹھ کے ایک شاعر کا نام جمیلؔ مظہر سیانوی ہے۔مظہر سیانوی نے اپنی شاعری اور انداز سے سب کو چونکایا ہے۔

کڑوے جس کے بول ہیں،اس کا اپنا بس تھوڑی ہے
گنّا ہو تو رس بھی نکلے بانس میں رس تھوڑی ہے
سب جانے ہیں ہم ہیں اس کے سچے پکے دوست
لیکن اس کی غیر مناسب بات پہ یس تھوڑی ہے

☆

یہ اور بات خدا تیری التجا سن لے
یہ میری قبر ولی کا مزار تھوڑی ہے

☆

تم لوگ تو آتے ہی نہیں حجرے سے باہر
حالات سے دنیا کے سرو کار تمہیں کیا

یہ انداز اور لب و لہجہ اردو شاعری میں بہت کم ملتا ہے۔جمیل مظہر سیانوی کی یہ انفرادیت انہیں معاصرین میں امتیاز بخشتی ہے۔آپ کا یہ انداز مشاعروں میں بھی بہت کامیاب ہوتا ہے۔میں نے مظہر سیانوی کو اسی انداز کی شاعری سے کئی مشاعرے لوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔دراصل یہ وہ انداز ہے جو مشاعروں میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔اس لحاظ سے جمیل مظہر سیانوی مشاعروں کے ایک بے حد کامیاب شاعر ہیں۔معروف فکشن نگار سید محمد اشرف جمیل مظہر سیانوی کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’ان کی شاعری میں اس دور کا لوچ بھی ہے اور لچک بھی لیکن یہ فولاد کی لوچ اور لچک ہے۔ان کی غزلوں میں ایک ٹھہرے ہوئے پرسکون تالاب اور اس کی ہلکی ہلکی لرزشوں کے بجائے ایک تیز پہاڑی ندی کا زور اور ابھار ہے۔جذبات کی جامعیت اور سادگی اور بیان کا اختصار ان کی غزلوں کا خاصہ ہے۔وہ اپنی تمام غزلیہ شاعری میں ایک فن کارانہ انتخابی نظر اور چابک دستی کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں بالخصوص ردیف وقوافی کا نیا پن اور اس پر ان کا زور بیان عصری شاعری میں انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے۔‘‘

جمیل مظہر سیانوی ویسے کم گو شاعر ہیں۔تقریباً پچاس سال سے شاعری کی زلفیں سنوارنے والے اس شاعر کا ایک مجموعہ ’’تارے انگارے‘‘ ۲۰۱۴ میں شائع ہوا اور دوسرا مجموعہ ’’داغِ چراغ‘‘ بہت جلد شائع ہونے والا ہے۔کم کہنے کے باوجود مظہر سیانوی نے اپنی مضبوط و مستحکم شناخت قائم کی ہے۔

دراصل آپ کا انداز اور پڑھنے کا طریقہ آپ کو دوسروں سے الگ کرتا ہے۔آپ کے مجموعے میں حمد،نعت، مناجات بھی شامل ہیں ،لیکن آپ کی اصل پہچان آپ کا غزلیہ کلام ہے۔آپ کی غزلوں میں ایک الگ قسم کا سوز و گداز ،اورلطیف سرور وانبساط ملتا ہے۔

جمیل مظہر سیانوی کے یہاں رومانی اشعار بھی ملتے ہیں لیکن اس میں بھی ان کا انداز سونے میں سہاگہ والا کام کرتا ہے۔ان کے رومانی شعروں کا مطالعہ بھی الگ مزہ دیتا ہے۔ان کے ایسے اشعار دیکھیں۔

وہ تو اک بھول تھی بچپن کی اماں چھوڑو بھی
تم بھی دل میں لیے بیٹھے ہو قیامت کب سے

☆

ہر شخص سے بے باک ترا ملنا ملانا
لوگوں کو بہت شاق گزرتا ہے مرے یار
یہ کیسے بتاؤں کہ تری یاد کا شعلہ
دن ڈھلتے ہی سینے میں اترتا ہے مرے یار

☆

کہنے کو مرے ساتھ سفر میں ہے زمانہ
جب تو ہی نہیں ساتھ سفر میں تو سفر کیا

☆

نیا پن ،آپ کے اشعار کی شناخت ہے۔آپ کو کہیں لفظوں کا نیا پن، کہیں لب و لہجے کا انوکھا پن، کہیں نئی تراکیب،تو کہیں بالکل منفرد ردیفیں اور کہیں قوافی کے بدلتے رنگ مزہ دیتے ہیں۔خیال کی ندرت، روایت سے استفادہ تو کہیں انحراف اورلب و لہجے کا نشیب وفراز آپ کی شاعری کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔آپ بھی ان کے یہ اشعار دیکھیں۔

چند سانسیں زندگانی اور کیا
بس ہوا خاک آگ پانی اور کیا

☆

مجھے دیکھو کہ ہندوستان کا جغرافیہ ہوں میں
مرادآباد دل میں آنکھ میں ملیانہ ملتا ہے

☆

صدقہ نہ دیتے مانگنے والے کو جان کا
لیکن اسے لتاڑ کے اچھا نہیں کیا

ننھی سی جان جس میں تھی مظہرؔ رکھی ہوئی
وہ گھونسلہ اجاڑ کے اچھا نہیں کیا

☆

کیوں عرض کرم غیر سے کرتا ہے مرے یار
بادل سے کہیں دودھ بکھرتا ہے مرے یار

☆

مزاج پوچھ لیا ہے تو خوش نہ ہو اتنا
امیر شہر ترا غم گسار تھوڑی ہے

☆

کیا کہا پھر سے کہو ہم بھی تو سن لیں صاحب
آپ اور اپنے پڑوسی سے محبت کب سے

☆

الٰہی بھیج دے مہمان کوئی اپنی رحمت سے
مرے بچے بچھائے گھر میں دسترخوان بیٹھے ہیں

☆

غروراور فخر انسان کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔ یہ چیزیں اللہ کو زیب دیتی ہیں۔ اگر انسان ان میں سے کسی کو اختیار کرتا ہے ،تو اسے ایک نہ ایک دن دنیا کے سامنے نیچا دیکھنا پڑتا ہے۔لیکن جمیل مظہر سیانوی اگر غرور کرتے ہیں تو اللہ کی عنایات پر،مگر اس میں بھی عاجزی ان کا دامن نہیں چھوڑتی۔ان کا فخر بھی کبھی اپنی حدوں کو پار نہیں کرتا۔انہیں اپنی حدیں معلوم ہیں۔ان کے یہاں خودداری اورانا بھی پائی جاتی ہے،لیکن یہاں بھی وہ اللہ کے سامنے تو اپنا دامن پھیلا دیتے ہیں۔کسی انسان کے سامنے دست دراز نہیں کرتے۔ یہ شاعر کی خودداری ہے۔جو ہر حال میں مست رہنا سکھاتی ہے۔جمیل مظہر کی شاعری میں آپ کو ایسے اشعار کی کمی نہیں ملتی۔

امیر شہر سے کہہ دو فقیروں کو نہیں چھیڑے
امیری کیا فقیروں پر شہنشاہی نہیں چلتی

☆

جناب شیخ سے کہیے نہ خود پہ اترائیں
خدا کی دین ہے جنت ملی ملی نہ ملی

☆

فقیری کیا ہے سامانِ حقیری
فقیری میں جو سلطانی نہ ہو تو
یہ ھو حق رات بھر اچھی ہے مظہرؔ
پڑوسی کو پریشانی نہ ہو تو

☆

کم ظرفوں کا سر اپنے احسان نہیں رکھنا
کم زور ستونوں پر چھت بھاری نہیں کرنی
دولت کے لیے جھوٹے اشعار نہیں لکھتے
فن کاری ہمیں مظہرؔ درباری نہیں کرنی

☆

میں بے کٹی فقیر نہ سر ہے نہ سائباں
مجھ سے خلاف ہو کے مرا کیا کرے گا وہ

☆

نہ کہتا تھا میں اے زاہد ریا کاری نہیں اچھی
ترے ماتھے کی کالک بن گیا خطِ جبیں دیکھا

☆

خود دار ذہن کرب کی چادر پہ ٹانک کے
پھر میں نے روزہ کھول لیا ریت پھانک کے

☆

جمیل مظہر سیانوی استاد شاعر ہیں۔آج کل گڈھ مکتیشور میں قیام پذیر ہیں۔ان کے شاگرد آس پاس کے ضلعوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔جمیل مظہر سیانوی کے لب و لہجے کا رنگ ان کے کئی شاگردوں کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔وہی طنزیہ انداز، تیکھا پن اور برجستگی جو جمیل مظہر کی شناخت ہے،ان کے کئی شاگردوں کے یہاں بھی منتقل ہوئی ہے۔علی گڈھ کے معروف شاعر مجیب شہزر کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

وہ جن کا راستہ ہم نے ہی استوار کیا
ہمیں سے آج وہ دامن بچا بچا کے چلے

☆

لے نہ ڈوبے ایک دن دو کشتیوں کا یہ سفر
اس طرف ہو جائیے یا پھر ادھر ہو جائیے

☆

کبھی لگتا ہے آ کے کمرے میں
ننگے پاؤں ٹہل رہی ہے رات

☆

جمیل مظہر سیانوی میرٹھ کی شعری روایت میں ایک حسین اضافے کا درجہ رکھتے ہیں۔آپ نے اپنی شاعری اور انداز سے نہ صرف بہت سے مشاعرے لوٹے ہیں، بلکہ میرٹھ والوں کے دل و دماغ پر قبضہ بھی کیا ہے۔یہ دراصل جمیل مظہر سیانوی کی برسوں کی ریاضت ،مشق اور دوسروں سے منفرد رہنے کا ان کا جذبہ ہی تو ہے، جو انہیں بڑے شعرا کے درمیان سے راستہ عطا کرتا ہے۔

قصیدے قاتلوں کے جب سے میں لکھنے پہ اترا ہوں
مجھے ہر بار سونے کا قلم نذرانہ ملتا ہے

☆

چند سانسیں زندگانی اور کیا
بس ہوا خاک آگ پانی اور کیا

☆

کیا کہا پھر سے کہو ہم بھی تو سن لیں صاحب
آپ اور اپنے پڑوسی سے محبت کب سے

☆

جمیل مظہر سیانوی کی شاعری کی سادگی میں پرکاری، نئے پن کا جنون،لب و لہجے کی انفرادیت، زبان اور شاعری پر دسترس، انگریزی اور دیگر زبانوں کے مروج لفظوں کا استعمال ،خودی اور خودداری، تیکھا پن، برجستگی، ایمان کی پختگی، کردار کی شفافی، وغیرہ اوصاف انہیں اپنے ہم عصروں سے الگ کرتے ہیں۔

□□□

انور حسین انجم
گارڈن ریچ روڈ، کولکاتا-Mob.9331662083

غزل

مفہوم نہ ہو جب کوئی الفاظ کی زد میں
بہتر ہے خیالات رہیں اپنی ہی حد میں

کیا لکھیں گے وہ جن کو قواعد نہیں معلوم
کیا فاصلہ ہوتا ہے سبب اور وتد میں

ہو جائیں گے خود اپنی ہی منزل سے بہت دور
جو جلتے رہے اپنی ہی محرابِ حسد میں

الزام تراشی کی بھی تہذیب سے گزرو
پہلے تو تمیز آئے تمہیں نیک میں، بد میں

سجدہ کرو معبود کو اور دل سے پکارو
پھر غیب سے آ جائے گا سامان مدد میں

اخلاق سے دشمن کو بھی تم دوست بنا لو
ہر شخص کو سب چھوڑ کے جانا ہے لحد میں

انعام سے کیوں اس کو نوازا گیا انجم
جو آتا نہیں منصب و عہدہ میں، سند میں

●●●

ڈاکٹر ذکی طارق
کیلا روڈ، غازی آباد-Mob.9818860029

غزل

مسئلہ یہ ہے انا کا جو اڑا ہوں میں بھی
وہ اگر مجھ سے خفا ہے تو خفا ہوں میں بھی

میں قلم کار ہوں حالات سے ہے جنگ مری
حاکم وقت سے دن رات لڑا ہوں میں بھی

کون کیا، مجھ کو سمجھتا ہے، نہیں اس سے غرض
اپنے کردار کی حد تک تو بڑا ہوں میں بھی

آتش وقت ہے کیا؟ جبر و ستم ہیں کیا چیز
اپنی ہی آگ میں دن رات جلا ہوں میں بھی

میں نے بھی لذتِ فردوسِ بریں کھوئی ہے
ایک لغزش میں بلندی سے گرا ہوں میں بھی

تم ہی جکڑے نہیں حالات کی زنجیر کے ساتھ
دوستو! وقت کی کھونٹی پہ ٹنگا ہوں میں بھی

اس کا اندازِ سخن سب سے انوکھا ہے ذکی
اس کے اندازِ تکلم پہ فدا ہوں میں بھی

●●●

سلطان آزاد
پٹنولین،گلزار باغ، پٹنہ -Mob.8789934730

ظفرؔ صدیقی کی نعتیہ شاعری

(رسالت مآب کی روشنی میں)

نعت جو عربی لفظ ہے، اور جس کے لغوی معنی مدح، ثنا اور تعریف وتوصیف جو حضور محمدﷺ کے لئے مختص ہے۔ اگر چہ نعت، شاعری کی باضابطہ صنف نہیں ہے، جیسے اور دیگر اصناف سخن ہیں۔ مگر ادب میں اسے ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ نعت گوئی بھی شاعری کا ایک موضوع سخن ہے۔ جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وفضائل اور احوال وکوائف بیان کئے جاتے ہیں۔

پیش نظر کتاب ''رسالت مآب'' ظفرصدیقی کا نیا نعتیہ مجموعۂ کلام ہے۔ اس سے قبل ان کا نعتیہ مجموعہ کلام ''بعداز خدا، ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس نعتیہ مجموعۂ کلام کی روشنی میں مشاہیرادب، پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ، پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور پروفیسر علیم اللہ حالیؔ وغیرہ نے اپنی اپنی آرا پیش کی ہیں۔ اُن میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی بہت ہی نپے تلے انداز میں اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کس قدر محتاط ومودب انداز ہے، نہ کہیں افراط وتفریط، ایک خوشگوار اعتدال وتوازن ہر جگہ موجود ہے۔ شاعر کو جب تک تائید ربانی حاصل نہیں ہو یہ کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس لئے میں کہنا چاہتا ہوں کہ ظفر صدیقی فیضان سماوی سے مالا مال ہیں۔ اپنی اس خوش بختی پر وہ جس قدر ناز وافتخار کریں کم ہے۔ (ص ۱۶)

وہ مزید ان کی نعتیہ شاعری کا اختصاص اورفنی خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک خاص بات جو ظفرصدیقی کی نعتوں میں دیکھی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ اُن کو اپنے جذبات واحساسات کے اظہار پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ کسی بھی بحر و وزن میں وہ طبع آزمائی کر رہے ہوں، ان کا قلم عجز بیان کا شکار نہیں ہوتا۔'' (ص ۱۷)

مجموعۂ نعت ''رسالت مآب'' ظفرصدیقی کا نیا مجموعۂ کلام ہے، جو ۲۰۲۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظرعام پر آیا ہے۔ اس مجموعۂ نعت کے انتساب میں ہی ظفر صدیقی صاحب نے یہ واضح کردیا ہے کہ وہ علم دین اور حیات طیبہ کے ہر گوشے سے واقفیت رکھتے ہیں، ملاحظہ ہو:

''ان راویان حدیث کے نام
جن کی وجہ سے ہم اُس ذات رسالت مآب کی
حیات طیبہ کے ہر گوشے سے واقفیت حاصل کر پائے''؟!

اس مجموعۂ نعت میں نعت کے علاوہ منقبت اور نظمیں بھی ہیں۔ لیکن نعتیہ کلام زیادہ ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ اس مجموعۂ کلام کی روشنی میں لینے والے مشاہیر دانشوران علم وادب میں مرتبہ کتاب ہذا پروفیسر ظفر انصاری ظفر، پروفیسر احمد بدر، پروفیسر شہاب ظفر اعظمی، پروفیسر امتیاز وحید اور ڈاکٹر عطا عابدی ہیں۔

ظفر صدیقی بنیادی طور پر اُردو غزل کے خوش فکر اور زود گو شاعر ہیں۔ اپنی منفرد غزل گوئی سے سامعین اور ناقدین کو یکساں طور پر متوجہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ روایتی انداز میں الگ اپنا منفرد اسلوب ہے۔ چونکہ انھیں غزل گوئی مرغوب ہے اس لئے انھوں نے نعت بھی غزل کی ہیئت میں ہی کہنا پسند کیا ہے۔

مجموعۂ نعت ''رسالت مآب'' کے مرتب ظفر انصاری ظفر، ان کی نعتیہ غزلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ظفر صدیقی کی نعت گوئی ان کی غزل گوئی کا پرتو نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتوں کے لئے جو ہیئت استعمال کی ہے وہ بھی غزل ہی سے تعلق رکھتی ہے، ساتھ ہی انھوں نے جو پیرایۂ اظہار اپنایا ہے وہ بھی تغزل مآب ہے۔'' (ص ۱۴)

نعت گوئی کا تعلق براہ راست ایمان سے ہے۔ اگر شریعت کی روشنی میں اس کے معیار پر نعتیہ اشعار کہے گئے تو یقیناً وہ سعادت، نیک بختی اور صد ہا پذیرائی کے لائق ہیں۔ یعنی نعتیہ شاعری میں حب رسول ﷺ میں محبت اور شریعت کے درمیان اعتدال کا رویہ بلا شبہ نعتیہ شاعری کو معتبر اور باوقار بناتا ہے۔ ظفر انصاری ظفر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

> محبت اور شریعت کے درمیان اعتدال کا رویہ، نعتیہ شاعری کو معتبر اور باوقار بناتا ہے۔ جس کا عرفان وادراک ظفر صدیقی کو بخوبی ہے اس لئے انھوں نے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ اپنے عشقیہ جذبات کو شعری کالبد عطا کیا ہے۔ جس کا اندازہ ان کے عشقیہ اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔'' (ص ۱۵)

ظفر صدیقی کے نعتیہ عشقیہ اشعار جس میں عشق رسول اور عظمت رسول ﷺ اعتدال کے ساتھ قارئین اور ناقدین کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں ان اشعار سے اپنے ایمان کو تازہ اور معطر کیا جا سکتا ہے۔ نموتاً ایسے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رہیں گے خلد کے اندر پئیں گے ساغر کوثر
عبادت پر نہیں ہم کو شفاعت پر بھروسا ہے

....

دل کو کبھی نہ بھائے گا منظر بہشت کا
مجھ کو جو یاد آئے گا ان کی گلی کا رنگ

....

خدانے جن کواپنے نور کے سانچے میں ڈھالا ہے
انھیں کے پرتو رُخ سے زمانے میں اُجالا ہے

....

اے طیب مہرباں! میرا مسیحا اور ہے
دل مریض عشق ہے، اس کا مداوا او رہے

....

سارے نبیوں میں ظفؔر ان کے سوا کوئی نہیں
دعوتِ وصل خدا جن کے لئے آئی ہو

....

وہ مقدس کتاب ان پہ نازل ہوئی
جس میں ممکن نہیں کچھ الٹ پھیر تک

....

مری تلاش میں خامی نہیں صداقت ہے
خدا ضرور ملے گا اگر نبی مل جائے

....

انھیں خدا نے بنایا ہے رحمت عالم
سب ان کے لطف وکرم بے حساب دیکھتے ہیں

....

نعت گوئی میں شاعر کو آداب نعت گوئی کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ آداب اس کے اساسی پہلو ہیں۔ضروری ہے کہ اظہار نعت میں آداب رسالت کے تمام تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ کیونکہ ذراسی بے احتیاطی نعت گو کے افکار وخیالات رسالت کے اصولوں کی پاسداری نہ کرنے کے باعث ایمان کی دولت سے محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ظفر صدیقی نہ صرف آداب نعت گوئی سے واقف ہیں بلکہ اسے وہ آداب عبادت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کا حسن مذہبی تقدس کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ملاحظہ ہوں چند اشعار ؎

خدا خود مدح خواں، جس کا خدا خود جس کا شیدائی
رسولوں میں رسول ایسا ہمارا کملی والا ہے

....

وجہ عزت ہی نہیں عین عبادت ہے ظفؔر
یاد میں ان کی شب وروز غزل خواں ہونا

....

ان کے وصف وحُسن کا ثانی زمانے میں نہیں
سارے عالم میں انھیں قدرت کا اک شہکار لکھ

....

ظفر صدیقی کی نعتیہ شاعری میں حب رسول ﷺ، جس طرح عقیدت واحترام کے ساتھ جلوہ گر ہے، اور وہ جس طرح اپنی والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں، ان کا ایک ایک شعر ثنا خوانی کے ذریعہ قاری اور سامع کے دل و دماغ کو روشن کر دیتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کی زبان بھی غزلیہ شاعری کی طرح عام فہم، زور بیان، اسلوب اور فکر وفن کا حسین مجموعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کو عام قاری اور سامع بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں بھی تشبیہات واستعارات کا بھرپور

استعمال ہوا ہے جسے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ سادہ، واضح اور سریع الفہم ہیں ایسے اشعار جو روانی و تسلسل کے ساتھ سہل ممتنع کے اوصاف سے پُر ہیں۔ ملاحظہ ہوں چنداشعار ؀

خدا ہے دینے والا مصطفیٰ ہیں بانٹنے والے
انھیں کی ذات سے ہرایک خاص وعام زندہ ہے

....

انھیں خدا نے بنایا ہے رحمت عالم
سب ان کے لطف وکرم بے حساب دیکھتے ہیں

....

پیار کی جوت ہراک دل میں جگانے آئے
آپ انسان کو انسان بنانے آئے

....

حسین ان کی طرح لالہ و گلاب نہیں
وہ لاجواب ہیں ان کا جواب نہیں

....

بلاشبہ اس مجموعہ نعت ''رسالت مآب'' کی تمام نعت ان کی گداز کیفیات کی آئینہ دار ہیں جس میں سوز وگداز، عشق رسول ﷺ کی تڑپ اور سرشاری، سب کچھ موجود ہے۔ اس خوبصورت اور دیدہ زیب نعتیہ مجموعہ ''رسالت مآب'' کی پیشکش پر انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ان کی نعتیہ شاعری، ان کی نجات کا وسیلہ بن جائے۔ آمین!

ظفؔر میں نعت پڑھتا ہوں فرشتے لکھتے رہتے ہیں
یہی اعمال نامہ ہے جو بخشش کی ضمانت ہے

□□□

تخلیق کاروں سے گذارش

اپنی تخلیقات/نگارشات صفحہ کے ایک طرف ہی لکھیں۔ ہر تخلیق پر غیر مطبوعہ کی تصدیق ہونا لازمی ہے۔

ای۔میل سے بھیجی ہوئی تخلیقات/نگارشات کی ہارڈ کاپی جس پر آپ کا پتہ اور موبائل نمبر صاف صاف درج ہو، بھیجنے کی زحمت کریں۔

جو تخلیقات کسی وجہ سے شائع نہیں ہوں گی، ان کی واپسی کے لئے اکادمی ذمہ دار نہیں ہوگی۔

تخلیقات کے ساتھ بینک اکاؤنٹ میں درج نام، بینک کا نام، شاخ کا نام، آئی۔ ایف۔ ایس۔ سی نمبر انگریزی میں لکھ کر بھیجنا ضروری ہے۔ پاس بک کی فوٹو کاپی یا کینسل چیک بھی منسلک کرنے کی زحمت کریں۔

اترپردیش اردو اکادمی بچوں کے مزاج ومعیار کے لحاظ سے

ماہنامہ باغیچہ

پورے آب وتاب کے ساتھ شائع کر رہی ہے۔ اس کے فروغ اور توسیع کے لئے آپ کا تعاون درکار ہے۔

۱۔ آپ اپنی تخلیقات بھیج کر

۲۔ خود خریدار بن کر اور دوسروں کو ترغیب دے کر

۳۔ بچوں میں اردو رسائل پڑھنے کا ذوق بیدار کر کے اردو کی خدمت کر سکتے ہیں۔

شریفؔ قریشی
بھوسہ منڈی، فتح گڑھ-Mob.9044674701

غزل

گہرائی میں ڈھونڈو مجھے ساحل پہ نہیں ہوں
کیا تم کو نظر آؤں سمندر کی زمیں ہوں

جو تم نے کیا تھا کبھی مجھ پر وہ یقیں ہوں
میں دور نہیں تم سے جہاں تم ہو وہیں ہوں

ہستی ہے مری خواب، عدم میری حقیقت
ہر چند کی موجود ہوں موجود نہیں ہوں

اِس وقت نہ ڈھونڈو مجھے کھو جاؤ گے تم بھی
کھویا ہوا میں اپنے خیالوں میں کہیں ہوں

میں گلشن ہستی میں بہاروں کا پیامی
خوشبو کا مکاں ہوں کبھی رنگوں کی زمیں ہوں

اب دیکھنا یہ ہے کہ بہم کیسے نبھے گی
تم سنگ کدورت ہو میں آئینہ جبیں ہوں

دیتے ہو شریفؔ اتنی بلندی سے صدا کیوں
احساس مجھے بھی ہے کہ میں خاک نشیں ہوں

●●●

انس مسرورؔ انصاری
ٹانڈہ، امبیڈکرنگر-Mob.9453347784

غزل

تم جو ثابت نہ رہے سخت چٹانوں کی طرح
وقت سیلاب ہے بہہ جاؤ گے تنکوں کی طرح

میرے کچھ کام نہ آئی یہ مری در بدری
دشت اُلفت میں پھرا لاکھ بگولوں کی طرح

تپتے صحرا میں لئے سایۂ دامانِ خلوص
ہم بھی ہیں گاؤں کے چھتنار درختوں کی طرح

یوں نہ تعمیر کرو ریت پہ خوابوں کے محل
لمحے اُڑ جاتے ہیں ہاتھوں سے پرندوں کی طرح

سازِ دل جب ہے سکوتِ شب غم کی صورت
کوئی آواز تھی اُبھری کبھی نغموں کی طرح

وحشتیں ساتھ لئے آتی ہیں کالی راتیں
دن تو کٹ جاتے ہیں ہنس بول کے بچوں کی طرح

کب کسی نے ہمیں اندر سے پڑھا ہے مسرورؔ
ہم تو شوکیس میں ہیں بند کتابوں کی طرح

●●●

ڈاکٹر سعید احمد سندیلوی
ٹھاکر گنج، لکھنؤ- Mob.9455551607

وجاہت علی سندیلوی کا شعری شعور

سندیلہ اودھ کا ایک تاریخی قصبہ رہا ہے جس میں ہر دور میں شعرا، ادبا، صوفیا اور دانشور پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ان میں بعض لوگ کئی صلاحیتوں کے مالک رہے ہیں مثلاً وہ بیک وقت شاعر، ادیب اور صوفی تک گزرے ہیں۔ مگر کسی وجہ سے ایک ہی میدان میں مشہور و معروف ہو کر رہ گئے۔ ان میں ماضی قریب میں ایک ایسا ہی نام چودھری وجاہت علی سندیلوی کا ہے جو مزاح نگار کی حیثیت سے مشہور ہوئے جبکہ وجاہت صاحب پیشے کے لحاظ سے مقامی سطح پر ایک وکیل کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وجاہت صاحب ایک صحافی، ادیب اور شاعر بھی تھے۔ میں اپنے اس مضمون میں وجاہت صاحب کی شعری حیثیت پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

وجاہت علی نام، وجاہت تخلص (۱) یکم مارچ، ۱۹۱۶ء کو سندیلہ کے ایک معزز شیخ صدیقی زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے مورث اعلیٰ پیر تاج الدین فاریاب سے ہندوستان آئے تھے جن کی اولادیں دہلی میں اعلیٰ شاہی عہدوں پر فائز تھیں۔ شیخ صدر جہاں شہنشاہ اکبر کے خاص مقربین میں سے تھے۔ ان کی اولادوں کو سندیلہ کے گرد و نواح میں جاگیریں ملیں تھیں نیز چودھرائی کا موروثی خطاب بھی شیخ صدر جہاں کو عہد اکبری میں ملا تھا۔

وجاہت صاحب کی تعلیم کی ابتدا رواج زمانہ کے مطابق تقریباً چار برس کچھ ماہ کی عمر میں گھر ہی میں بغدادی قاعدہ سے ہوئی۔ حافظ محمد تقی مرحوم نے قرآن شریف ختم کرائی۔ اس کے بعد گھر ہی میں بطور ٹیوشن ماسٹر ریاست علی نے اردو اور ریاضی پڑھائی۔ وجاہت صاحب کے والد نے اخبار میں اشتہار دے کر انگریزی استاد کا انتظام کیا۔ بشیر الدین غازی پوری نے انہیں انگریزی اور ریاضی کی تعلیم دی۔ تین سال کے بعد غازی پوری کے اپنے وطن چلے جانے پر ماسٹر امراؤ علی سے بھی انگریزی پڑھی۔ صرف ایک سال انگریزی اسکول (جواب التفات رسول انٹر کالج کے نام سے جانا جاتا ہے) سندیلہ میں داخلہ لے کر ۱۹۳۰ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ پھر وجاہت صاحب کا داخلہ کرسچین کالج، لکھنؤ کے درجہ ۹ میں کرادیا گیا جہاں سے وجاہت صاحب نے ۱۹۳۲ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۳۴ء میں انٹر پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں وجاہت صاحب نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی-اے پاس کیا۔ پھر ایل-ایل-بی میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۳۹ء میں قانون کی ڈگری لی اور ۱۹۴۰ء سے وکالت کو ذریعۂ معاش بنایا۔

وجاہت صاحب جب ایل-ایل-بی فائنل کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔تبھی ان کی شادی ۱۷؍مارچ، ۱۹۳۹ءکو یعنی دوران تعلیم ہی سعید بیگم بنت شیخ محمودالحق، گورکھپور سے ہوئی۔محمودالحق کا شمار گورکھپور کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔وجاہت صاحب کو اللہ نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں دیں۔نجمہ یونس، جمال نصرت، صبیحہ انور اور نگار شکیل۔اپنے خاندانی پس منظر اور وجاہت صاحب کی تربیت کا اثر تھا کہ ان کی اولادیں بھی اپنے اپنے میدان میں کامیاب اور کامران رہیں۔ بڑے بیٹے نہال عظمت پہلے ہردوئی میں ایک کامیاب وکیل تھے،اب لکھنؤ میں مقیم ہیں۔چھوٹے بیٹے جمال نصرت سپرنٹنڈنٹ انجینیر کے عہدے سے سبکدوش ہوچکے ہیں اور اردو میں سائنسی مضامین کے مصنف شمار کیے جاتے ہیں، کئی کتابیں رقم کی ہیں۔ادبی امور کی جانشینی منجھلی بیٹی ڈاکٹر صبیحہ انور کے حصہ میں آئی۔لکھنؤ کے مشہور ومعروف کرامت حسین گرلس ڈگری کالج میں ایک مدت تک صدر شعبہ رہیں اور پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئیں۔آپ مشہور افسانہ نگار ہیں۔

وجاہت صاحب حلیہ کے اعتبار سے بالکل اسم بامسمیٰ تھے یعنی لفظ وجاہت کے مصداق روشن چہرہ، کشادہ پیشانی،خوش رو، دراز قد و جامہ زیب۔وہ کسی بھی محفل میں الگ ہی نظر آتے تھے۔وجیہہ اور متناسب الجسم ہونے میں اب سندیلہ میں ان کا ثانی مشکل ہی سے ملے گا۔وجاہت صاحب صحت کے اصولوں کے سخت پابند تھے۔علی الصبح اٹھنا اور تقریباً ۳-۴میل پیدل سیر کرنا ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ ان کے اس معمول کو کوئی موسم متاثر نہیں کر پاتا تھا۔بارش کے دنوں میں سیدھے ہاتھ میں چھڑی اور الٹے ہاتھ میں چھاتہ ہوتا تو سردی میں کانوں میں مفلر بندھا ہوتا۔صبح کی سیر ان کے لئے لازمی تھی۔انتہائی مختصر علالت کے بعد وجاہت صاحب کا حرکت قلب بند ہوجانے کے سبب ۱۹؍اکتوبر، ۱۹۹۶ءکو اچانک انتقال ہوگیا۔سندیلہ میں ہی اپنے باغ مقابر میں والد محترم عشرت علی کے پہلو میں دفن کیے گئے۔شجاعت علی سندیلوی (مرحوم) نے وجاہت صاحب کی رحلت پر قطعۂ تاریخ کہا تھا جو لوحِ تربت پر نصب ہے۔قطعۂ تاریخ حسب ذیل ہے ؎

نہ رہا یادگارِ عشرت آج
ہوئی رخصت جہاں سے الفت آج
کہی تاریخ یہ شجاعت نے
رفت خلد بریں وجاہت آج

اب میں مضمون کے اصل عنوان کی طرف رخ کر رہا ہوں۔شاعری کی ابتدا کے متعلق وجاہت صاحب مرحوم خود اپنی خودنوشت میں یوں رقم طراز ہیں:-

’’شاعری سے مجھے بچپن سے ہی لگاؤ تھا لیکن عام شعرا کی ناقدری دیکھ کر میں نے اپنا یہ ذوق دبائے رکھا۔صرف کبھی کبھار کچہری کی مصروفیات کے درمیانی وقفے میں شعر کہتا اور وہ بھی اپنے ایک شاعر دوست، جو وکیل بھی ہیں، کو سنانے یا چڑانے

کے لئے۔ اس قسم کے کلام کی میں نے کوئی یادداشت نہیں رکھی۔ البتہ ۱۹۸۰ء سے باقاعدہ شعر کہنے لگا۔ میں نے نہ اپنا کوئی تخلص رکھا اور نہ کسی مشاعرے میں اپنا کلام سنانے کی کوشش کی ہے۔ البتہ میرا کلام بعض اہم رسالوں مثلاً ''آج کل'' دہلی، ''نیا دور'' لکھنؤ، ''شاعر'' بمبئی، ''کتاب نما'' دہلی، ''بیسویں صدی'' دہلی، ''عصری ادب'' دہلی وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے اور میری غزلوں کے مجموعے ''روشنی'' پر اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ نے ۱۹۸۸ء میں دو ہزار روپے کا انعام دیا تھا۔''[۳]

وجاہت صاحب کا یہ فرمانا کہ ''میں نے نہ اپنا کوئی تخلص رکھا اور نہ کسی مشاعرے میں اپنا کلام سنانے کی کوشش کی ہے۔ البتہ میرا کلام بعض اہم رسالوں مثلاً ''آج کل'' دہلی، ''نیا دور'' لکھنؤ، ''شاعر'' بمبئی، ''کتاب نما'' دہلی، ''بیسویں صدی'' دہلی، ''عصری ادب'' دہلی وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے۔'' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وجاہت صاحب نے ایسا کیونکر تحریر کیا۔ جبکہ وجاہت صاحب کا تخلص وجاہتؔ ہی تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عرفان عباسی نے اپنی کتاب ''آپ ہیں'' حصہ دوم، مطبوعہ ۱۹۸۴ء کے صفحہ ۲۰۹ء پر موجودہ شعرا کے تحت جو بحیثیت شاعر تعارفی خاکہ تحریر کیا ہے اس میں تخلص کے کالم کے سامنے ''وجاہتؔ'' درج ہے۔ اس طرح وجاہت صاحب کا تخلص تھا اور وہ ''وجاہتؔ'' ہی تھا۔ ہاں یہ بات دیگر ہو سکتی ہے کہ وجاہت صاحب نے تاعمر مقطع کہا ہی

نہ ہو۔ ظاہر ہے عرفان عباسی مرحوم نے وجاہت صاحب کا تعارف اور تخلص بغیر کسی حوالے کے تحریر نہیں کیا ہوگا۔ بلکہ انہوں نے وجاہت صاحب سے تعارفی سوالنامہ حاصل کر کے ہی درج کیا ہوگا۔ مجھے وجاہت صاحب کے تینوں شعری مجموعے ''روشنی''، ''نشاط آگہی'' اور ''پرواز'' میں مقطع نظر نہیں آیا جو واقعی تعجب خیز ہے۔

بقول وجاہت صاحب کے ہی شاعری سے انہیں بچپن سے لگاؤ تھا تاہم انہوں نے باقاعدہ شاعری ۱۹۸۰ء یعنی وفات سے محض ۱۶ سال قبل اور ۶۶ سال کی عمر میں شروع کی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں ڈر رہا ہوگا کہ ان کے اشعار کہیں ناموزوں ہوئے تو اہل فن اور خاص کر حاسدانِ سندیلہ انہیں تنقید تو تنقید تنقیص تک کا نشانہ بنا ڈالیں گے۔

وجاہت صاحب کی شاعری کی ابتدا کے تعلق سے پروفیسر نورالحسن ہاشمی سندیلوی مرحوم کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''(وجاہت) ایک دفعہ لکھنؤ آئے اور بتایا کہ میں نے آپ کے فلاں مضمون سے عروض بہت کچھ سمجھ لیا ہے اور اب میں نے شاعری شروع کر دی ہے۔ کیا کروں تحصیل میں مقدمات سے خالی وقت ملتا ہے تو شعر موزوں ہونے لگتے ہیں۔ میں نے کہا، مبارک ہو۔ کچھ عرصہ ہی میں اپنی غزلوں کے دو-تین مجموعے شائع کرادئے۔ یہ ان کی ذہانت اور موزوں طبعی کا نتیجہ تھا۔''[۴]

وجاہت صاحب اپنی گفتگو کے دوران فرمایا کرتے

تھے کہ کیا کروں ! ایک وکیل ایک ادیب کے سینے پر سوار ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پیشے سے وکیل ضرور تھے مگر مزاج اور ذہن کے اعتبار سے وہ ایک کامیاب صحافی، مزاح نگار، افسانہ نگار، مضمون نگار اور مراسلہ نگار تھے۔ نثر کی اتنی اصناف میں صلاحیت رکھنے کے باوجود ان میں قناعت نہ تھی۔ آخر کار ۶۶ سال کی عمر میں انہوں نے شاعری بھی شروع کر دی اور وفات سے قبل محض ۱۶ سال میں چار شعری مجموعے شائع کرا کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وجاہت صاحب اپنے دور طالب علمی میں ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے اور خاص کر علی سردار جعفری سے کچھ زیادہ ہی متاثر تھے۔ جعفری صاحب کی نذر ایک نظم میں فرماتے ہیں:

زمیں پہ گل، شاخسار رقص میں ہے
فلک پہ لشکر ابر و بہار رقص میں ہے
خزاں ہے سایہ فگن حوصلہ مگر باقی
بریدہ رنگ عروس بہار رقص میں ہے

وجاہت صاحب اپنی زندگی میں دو بار ایسے کرب سے گزرے جس کو تاریخ سیاہ ایام سے یاد کرتی ہے۔ پہلا ۱۹۴۷ء کا دور تھا جب برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور مسلمانوں کا خون نہایت ارزاں ہو گیا تھا۔ دوسرا دور ۱۹۹۲ء میں ۶ ردسمبر کو آیا جب بابری مسجد شہید کر دی گئی اور مرکز میں نام نہاد مسلم نواز کانگریس پارٹی بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ اتنا ہی نہیں، بعد میں مسلمانوں (خاص کر جماعت اسلامی ہند سے وابستہ لوگوں) کو ہی قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا۔

وجاہت صاحب انتہائی حساس طبیعت کے مالک تھے۔ ظاہر ہے وہ اپنا اظہار قلم سے ہی کر سکتے تھے۔ اس وقت کے ان کے مندرجہ ذیل اشعار یاد رکھنے کے لائق ہیں۔

ظلم کو انصاف پر یوں کامراں دیکھا نہ تھا
خونِ ناحق خاک پر ایسا رواں دیکھا نہ تھا
عصمت و ناموس کی کیسی اڑی دھجیاں
یوں مکینوں سے بھرا جلتا مکاں دیکھا نہ تھا
بھیڑ بکری کی طرح جب چیختے انساں تھے
خوف و دہشت کا کبھی ایسا سماں دیکھا نہ تھا
تھا وطن اپنا رواداری اخوت کی بہشت
اس میں ہوتا راج یوں امن و اماں دیکھا نہ تھا

اسی غزل میں وجاہت صاحب امن و امان کا پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

مشعلیں مہر و محبت کی جلاؤ ہر طرف
ظلمتوں میں یوں گھرا ہندوستاں دیکھا نہ تھا

وجاہت صاحب مخالف حالات سے مایوس نہیں ہوتے تھے کیوں کہ ہمیشہ ایک طرح کے حالات نہیں رہتے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ناحق نہیں جلا ہے چراغوں میں خون مرا
مجھ کو یقیں ہے کہ سحر بھی قریب ہے

عبدالقوی دسنوی (مرحوم) نے وجاہت صاحب کی شاعری پر مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:

''ان کی شاعری کا اگر سنجیدہ کے ساتھ مطالعہ کیا

جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں حسن وعشق کی باتیں سرسری ہیں۔ان کی شاعری کا اصل موضوع دنیا، دنیا کے لوگ، ان کی بے راہ رویاں، خودغرضیاں، ظلم وستم اور سیاست کے حیوانیت وغیرہ ہیں۔ایسے ہی موضوعات پرانہوں نے نہایت اعتماد کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور اپنے تجربات کو اس طرح پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ پڑھنے والا نہ صرف اپنے آپ کو ہر لمحہ ان کے ہم خیال پاتا ہے بلکہ ان کی طرح اپنے آپ کو مضطرب محسوس کرتا ہے۔ان کے یہاں حسن و عشق کے جذبات سے لبریز اس طرح کے اشعار ضرور ملتے ہیں لیکن بہت کم ہیں۔'' ۵

ڈاکٹر سعید عارفی مرحوم نے وجاہت صاحب کی شاعری پر مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''وجاہت علی سندیلوی کی شاعری میں موجودہ معاشرتی نظام واقتدار میں روزافزوں تبدیلیوں کے خلاف بغاوت کی لے تو نہیں ہے۔ہاں ایک طرح کا احتجاجی لہجہ اور رویہ ضرور ہے جو تمہیں اپنی جانب متوجہ کرتا ہے اور غور وفکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ جمہوری اور تہذیبی قدروں کے انحطاط اور زوال نے بھی انہیں متفکر کیا ہے۔وہ ظالم کے مخالف اور مظلوم کے حامی ہیں۔ حالات میں رونما ہونے والے تیز رفتار تغیرات نے بھی انہیں سنجیدہ کیا ہے۔ وہ صنعتی اور تاجرانہ ذہنیت کے فروغ اور ایک نئی بازاری تہذیب کے ارتقائی عمل پر حیرت زدہ بھی ہیں اور رنجیدہ بھی۔'' ۶

جہاں تک میں نے سمجھا ہے وجاہت صاحب کی شاعری احساس اور جذبے کی پوری صداقت اور شدت کے ساتھ تمام تر ناموافق حالات اور انتشار وکشمکش میں بھی انسان کو انسان بنے رہنے کا حقیقت پسندانہ اظہاریہ اور اعلامیہ ہے۔ بے مہری، حیات کی ناقدری اور ناسپاسی کے جس عہد میں ہم گزر رہے ہیں اور جس درد وکرب کو آج انسانی زندگی محسوس کر رہی ہے اس کے تناظر میں وجاہت صاحب کی شاعری کی افادیت اور اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ان کی شاعری ہمیں مدافعت اور جدوجہد کا پیغام دیتی ہے۔

❑❑❑

حواشی

۱ ''آپ ہیں'' از عرفان عباسی، حصہ دوم، صفحہ ۲۰۹، مطبوعہ ۱۹۸۴ء

۲ وجاہت علی سندیلوی: شخصیت اور ادبی آثار مؤلف ظفر احمد غازی، مقدمہ، صفحہ نمبر ۱۱، مطبوعہ ۲۰۰۰ء

۳ ایضاً صفحہ نمبر ۲۲۹

۴ ایضاً صفحہ نمبر ۱۰

۵ ایضاً صفحہ نمبر ۸۲

۶ ایضاً صفحہ نمبر ۱۳۲

❑❑❑

معید رہبرؔ
سعادت گنج، لکھنؤ-Mob.9889371674

غزل

تمہارا مجھ سا جو حال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا
غموں سے جب دل نڈھال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

ابھی تو کچھ بھی نہیں ہے بگڑا کہ ابتدا کا ہی مرحلہ ہے
سفر میں چلنا محال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

ابھی تو تم نے انا کے چلتے بگاڑ رکھے ہیں سب سے رشتے
جو پھر تعلق بحال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

ابھی تو بیمار ہیں ذرا ہم تو تم پہ کوہِ گراں ہے ٹوٹا
جب ایک دن انتقال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

ابھی تو مرضی کے تم ہو مالک کہ جیسے جینا ہو ویسے جی لو
کبھی جو بندش کا جال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

ابھی تو صرف ایک ہم ہیں ہم کو جواب دینے سے تم ہو قاصر
سوال پر جب سوال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

ابھی تو رہبرؔ ذرا ترقی ملی ہے تم کو اُڑو نہ ایسے
عروج سے جب زوال ہوگا، تو سوچو کتنا ملال ہوگا

●●●

فرزانہ پروین
کمبر اسٹریٹ، کولکاتا-Mob.7003222679

''جوہی کی کلی'' مسکائی

ایک دن ''جوہی کی کلی'' مسکاتی ہوئی میرے ہاتھوں میں آئی۔ کہتے ہیں کہ کسی تخلیق کار کی تخلیق ہی اس کی شناخت ہوتی ہے، یہ بات اس وقت صادق آئی جب میں نے ''جوہی کی کلی'' کا مطالعہ شروع کیا، نیلوفر پروین صاحبہ میری فیس بک فرینڈ ضرور رہی ہیں لیکن ان کی تخلیقات پڑھنے کا اس سے قبل کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ نیلوفر صاحبہ کو میں جانتی نہیں تو کیا لکھوں گی لیکن کتاب کے مطالعے کے ساتھ کئی حقائق آشکار ہوئے۔ ایک بات تو جو مجھے محسوس ہوئی وہ یہ کہ وہ بے حد حساس دل رکھتی ہیں جبھی آس پاس وقوع پذیر ہونے والے حادثات و واقعات سے کافی متاثر ہوئی ہیں اور انھی حادثات و واقعات کو انھوں نے اپنے افسانوں اور افسانچوں کا موضوع بنایا ہے۔ ''جوہی کی کلی'' کل ۲۴ فسانوں اور افسانچوں کا مشترکہ مجموعہ ہے ابتدا میں نگار عظیم صاحبہ اور ڈاکٹر احمد علی جوہر صاحب کے مضامین بھی شامل ہیں۔ پہلے روز میں نے تین افسانوں کا مطالعہ کیا تو تینوں میں کسی نہ کسی کردار کی موت کا ذکر تھا۔ پڑھ کر طبیعت بوجھل ہوگئی اور میں نے کتاب میز پر رکھ دی۔ دوسرے روز پھر میں نے اگلے چند افسانوں کا مطالعہ کیا۔ اتفاق سے ان میں بھی کہیں مرکزی کردار تو کہیں ضمنی کرداروں کی موت کا ہی ذکر تھا۔ پھر کچھ روز کے بعد بقیہ افسانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ چند افسانوں کو چھوڑ کر تقریباً تمام افسانوں میں کسی نہ کسی کردار کی موت دکھائی گئی ہے اگرچہ یہ اموات الگ الگ نوعیت کی تھیں لیکن طبیعت مضمحل ہوگئی اور پھر میں سوچنے پر مجبور ہوگئی بہت وقت کے بعد ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ آخر ان افسانوں میں غلط کیا ہے؟ یہ افسانے حقیقت کے ترجمان اور ہماری زندگی کے عکاس ہی تو ہیں، موت زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے جس سے ہم چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ کتاب میں موجود تمام افسانے عمدہ پیغام کی ترسیل کرتے ہیں۔

افسانہ ''دائروں کے بیچ'' اعلیٰ ذات کے اجیت اور نچلی ذات سے تعلق رکھنے والی پونم کی محبت کی داستان ہے۔ اس افسانے کے ذریعہ مصنفہ نے ذات پات کے فرق کو مٹانے کی کوشش کی ہے۔

افسانہ ''جنم جنم کے ساتھی'' ہندو مسلمان کی محبت کا مرثیہ ہے جس میں مذہب کی دیوار انہیں ایک ہونے اور ساتھ جینے سے روکتی ہے اور آخر کار عامر اور شیتل مذہب کی لگائی آگ کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں-

افسانہ ''چارہ گر'' میں ریشم اور رومان جن کا ابھی ابھی نکاح ہوا ہے اور وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ ہی رہے ہیں

کہ راستے میں ان کی گاڑی ایک حادثے کا شکار ہو جاتی ہے اور رومان زخموں کی تاب نہ لاکر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور یوں چند گھنٹوں کی سہاگن عمر بھر کے لیے بیوگی کی چادر اوڑھ لیتی ہے۔ دراصل ایسی خبریں اکثر سننے میں آتی ہیں کہ نشے میں چور گاڑی چلاتے ہوئے ڈرائیور نے فلاں شخص کی گاڑی کو ٹکر ماردی اور بظاہر موت تو ایک یا دو شخص کی ہی ہوتی ہے لیکن اس سے جڑے کتنے ہی افراد بے سہارا اور یتیم ہو جاتے ہیں یہ فکر کا مقام ہے۔

افسانہ ''ایک ہی راستہ'' نیلوفر صاحبہ کی بہترین کہانیوں میں سے ایک ہے۔ جب انسان جائز طریقے سے کما کر بھی اپنے گھر کے اخراجات پورے نہیں کر پاتا ہے اور روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض اسے سماج میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تب اس کے سامنے ایک ہی راستہ بچتا ہے۔ رادھا کی کہانی بھی کچھ ایسی ہی تھی کہ اس کا شوہر سخت محنت کے باوجود بھی اپنی نو زائیدہ بیمار بچی کی دوائیاں اور اخراجات پورے نہیں کر پاتا ہے اور آخر کار ایک روز روٹی کے چند ٹکڑے چرانے کے سبب اس کی ایسی پٹائی ہوتی ہے کہ اس کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور تب رادھا کے پاس زندگی گزارنے کے لیے ایک ہی راستہ بچتا ہے کہ وہ رادھا سے ''رادھا بائی'' بن جاتی ہے۔ یہ نام نہاد سماج کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے کہ ہم خود تو اچھی خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمارے ارد گرد کے لوگ بھوک کی شدت سے اپنی جان تک گنوا بیٹھتے ہیں اور گھر کی عورتوں کو اپنی عزت کا سودا کرنا پڑتا ہے۔

افسانہ ''مہندی کی خوشبو'' ہزاروں معصوم اور بے گناہ جہیز کی آگ میں جھلسنے والی لڑکیوں کے دل کی آواز ہے جو سسرال کے سنہرے سپنے اپنی آنکھوں میں سجاتی تو ہیں لیکن یہ سپنے حقیقت کا روپ لینے سے قبل ہی بکھر جاتے ہیں۔ غزالہ بھی سسرال کے کئی سلونے خواب دیکھتی ہے لیکن نکاح کے فوراً بعد مطلوبہ جہیز نہ ملنے پر برات دلہن کو لئے بغیر لوٹ جاتی ہے۔ لڑکی کے والد صمد علی یہ صدمہ برداشت نہیں کر پاتے ہیں اور انہیں دل کا دورہ پڑ جاتا ہے ان کی موت کے چند منٹ بعد ہی غزالہ بھی ایک چیخ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو جاتی ہے اور یوں شادی کا ماحول ماتم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چند سال قبل تک ایسے واقعات بیشتر شہر اور گاؤں میں رونما ہوتے تھے لیکن آج حالات بدل گئے ہیں جہیز اور لین دین کے تمام معاملات شادی سے قبل ہی طے ہو جاتے ہیں اور جو جہیز دینے کے اہل نہیں ہوتے ان کی لڑکیاں تنہائی کا شکار ہو کر ڈپریشن یا لوگوں کے طعنے سے ہی مر جاتی ہیں وقت اور حالات بدل گئے ہیں لیکن کہانی آج بھی وہی ہے۔

افسانچہ ''مصروف لوگ'' سماج کے نام نہاد گھرانوں کا المیہ ہے جہاں ہائی سوسائٹی والدین کی اپنی الگ ہی دنیا ہوتی ہے۔ ماں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ، باپ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ مصروف، ایسے میں بچے خود ہی لاشعوری طور پر راہ بھٹک جاتے ہیں اور بالآخر وہ بھی والدین کے ہی نقش قدم پر چل پڑتے ہیں۔

افسانہ ''نجات'' اپنوں کی ستائی ہوئی اور شوہر کی بے توجہی کا شکار ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جو کورونا پازیٹیو رپورٹ آنے پر دلی خوشی محسوس کرتی ہے کہ چلو اچھا ہی ہوا کہ گھر والوں کو تجہیز و تدفین کی رسومات سے بھی رہائی مل

گئی، درحقیقت غیروں کے دیئے دکھ کو انسان بخوشی قبول بھی کر لیتا ہے لیکن اپنوں کا دیا درد اسے اندر تک توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ مصنفہ نے گھر والوں کی ٹھکرائی ایک عورت کے کرب کو بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

نیلوفر پروین کے بیشتر افسانے نسائی جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں انہوں نے عورتوں کی نفسیات، ان کے مسائل، ان کی دلی کیفیات، ان کے نازک جذبات، ان کی وفا، خودداری، کرب واذیت کا خوب احاطہ کیا ہے، چہرہ در چہرہ، مہندی کی خوشبو، عید کا چانداس کی بہترین مثالیں ہیں ''تیرا جانا'' شاید سچے واقعہ پر مبنی افسانہ ہے جو پڑھنے والے کو بھی جذباتی کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، سچ ہے دل سے نکلی آواز دل تک جاتی ہے۔

ہمارے مذہب میں لڑکیوں کی شادی میں اس کی پسند کا احترام کرنا سکھایا گیا ہے لیکن کچھ لڑکیاں بچپن سے ہی اپنی آنکھوں میں خوابوں کا اتنا بلند محل تعمیر کر لیتی ہیں کہ اس کے آگے انہیں حقیقت ہیچ نظر آتی ہے لیکن وقت گزرنے کے بعد جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور جس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ افسانہ ''خواہش جنوں'' میں مریم کی والدہ بریسٹ کینسر کا شکار ہو کر دنیا سے رحلت کر جاتی ہیں۔ والد نے مریم اور اس کے بھائی یوسف کی پرورش میں کوئی کمی نہیں رکھی اور گھر کی باگ ڈور مریم کے ہاتھوں میں سونپ دی یہاں تک کہ اپنے رشتے کی پسند کا اختیار بھی۔ لیکن مریم کو ہر رشتے میں کوئی خامی نظر آ ہی جاتی ہے اور یوں اس کی عمر ڈھلنے لگتی ہے والد بیٹی کی اس ضد سے اندر ہی اندر کڑھنے لگتے ہیں اور ایک روز وہ بھی رخصت ہو جاتے ہیں لیکن مریم کو اب بھی ہوش نہیں آتا ہے۔ وہ ہر رشتے کو ٹھکراتی رہتی ہے تنگ آ کر چھوٹا بھائی یوسف اپنے دوست کی بہن انجمن سے شادی کر لیتا ہے۔ مریم کے لیے رشتے آنا کم ہو جاتے ہیں۔ انجمن کو ایک بیٹا ہو جاتا ہے اس کی فیملی مکمل ہو جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر مریم بے حد خوش ہوتی ہے لیکن اپنی زندگی کا خالی پن اب اسے ستانے لگتا ہے اس کے بالوں میں اب سفیدی آ چکی ہوتی ہے اور ایک روز جب وہ اپنے بالوں کو ڈائی لگا کر کالا کر رہی ہوتی ہے تب انجمن کا یہ جملہ اسے اندر تک توڑ کر رکھ دیتا ہے کہ:

''ارے آپا ... کب تک ڈائی لگایئے گا؟ بال تو کالے ہو جائیں گے پر چہرے پر عمر کا نشان ظاہر ہو گیا ہے۔''

لیکن وقت ریت کی طرح مٹھی سے پھسل چکا تھا اب سوائے پچھتاوے کے مریم کے پاس کچھ نہیں بچتا ہے۔

نیلوفر پروین کے افسانے نسائی مسائل کے عکاس ہیں چہرہ در چہرہ، مریضہ، نجات، مصروف لوگ، شمع جلتی رہے گی، ایک ہی راستہ وغیرہ اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ 'جوہی کی کلی، مشک حیات، ایک زخم اور سہی، اجنبی دوست، گھبرا کے محبت کر بیٹھے: وغیرہ بھی عمدہ افسانے ہیں۔ قربانی کی نیت اور دو منظر ایک کہانی الگ نوعیت کی کہانیاں ہیں۔

نیلوفر پروین کا اسلوب خوب ہے، زبان بہت صاف ستھری ہے لفظوں کا انتخاب عمدہ ہے جملے چست اور برجستہ کہے گئے ہیں موصوفہ کسی واقعہ کو قلم بند کرنے کے ہنر سے خوب واقف ہیں ان کی کہانیاں حقیقت سے بہت قریب ہوتی ہیں دعا گو ہوں کہ ان کے قلم کی روانی برقرار رہے۔

❑❑❑

اسلم محمود
چمن گنج، کانپور-Mob.9935002239

غزل

ہمارے اطراف زرد پتھر بکھر گئے ہیں
طرب کے نغمے سنا کے موسم گزر گئے ہیں

بجھا گئے ہیں وہ اپنے ہاتھوں چراغ سارے
مگر ہواؤں کے سر پہ الزام دھر گئے ہیں

جواب کیسا کہ خود انھیں کی خبر نہ آئی
ہمارا پیغام لے کے جو نامہ بر گئے ہیں

ہوا کے ہاتھوں میں کس نے خنجر تھما دئے تھے
روش روش جو قبا گلوں کی کتر گئے ہیں

جو اعلیٰ اخلاق و اعلیٰ ظرفی کا تھے نمونہ
کہانیوں کے وہ سارے کردار مر گئے ہیں

نہ جانے کس معرکے میں الجھے تھے لوگ جس میں
نہ تیغ چمکی، نہ خون ٹپکا، نہ سر گئے ہیں

نصیب میں جن کے دھوپ کا تھا سفر وہ اسلم
گھنے درختوں کی چھاؤں دیکھی تو ڈر گئے ہیں

●●●

عرفانؔ لکھنوی
کھدرا، سیتاپور روڈ، لکھنؤ-Mob.8081875833

غزل

نوازتا ہی رہا میں اسے دعاؤں سے
مگر وہ باز نہ آیا کبھی جفاؤں سے

میں جانتا ہوں یہی میری کم نصیبی ہے
مجھے وفا کی ہے امید بے وفاؤں سے

صبا کھڑی ہے لئے ہاتھ میں گلاب کے پھول
اتر رہا ہے کوئی دیوتا خلاؤں سے

میں آدمی ہوں تو مجھ سے خطائیں بھی ہوں گی
اب اور عرض کروں کیا میں پارساؤں سے

بٹھا رہے ہیں اسے لوگ اپنی پلکوں پر
جسے اٹھایا گیا تھا مری سبھاؤں سے

یہی دعا ہے مری بس یہی تمنا ہے
خدا بچائے تجھے نفرتی ہواؤں سے

مری نگاہ میں اب صرف میری منزل ہے
مجھے غرض نہیں عرفانؔ دھوپ چھاؤں سے

●●●

اکرام الدین شبنم
بازار شفاعت پوتہ، امروہہ - Mob.9259482725

تلاش

ایک بار پھر میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں، یقیناً وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھی اور ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ میری پیشانی پر پسینے کی بوندیں تھرک اٹھیں۔ نظروں نے راہ فرار کی تلاش شروع کردی۔ جب اس میں بھی کامیابی نہ ہوسکی، میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ کاؤنٹر پر بل ادا کرکے ہوٹل سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے دروازے کے قریب رفتار سست کرکے ہلکے سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، وہ اب بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بیک وقت میرے ذہنی افق پر بے شمار سوال ابھرے مگر میں کوئی مناسب حل تلاش نہ کرسکا۔

گھر آیا تو تمام رات جاگتا رہا، ایک پل بھی آنکھ نہ لگی۔ اس کی شبیہ میرے دل پر اس طرح چپک سی گئی جیسے میں عرصۂ دراز سے جانتا تھا۔ اس کا تصور ذہن کے پردے پر کچھ یوں منعکس ہوگیا تھا کہ ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ساری رات یونہی گزر گئی اور صبح ہوگئی مگر میں پل بھر کو بھی اس کے خیال کو اپنے دل و دماغ سے باوجود کوشش کے ہٹا نہ سکا۔ یوں تو میری زندگی میں بے شمار لڑکیاں آئی ہیں لیکن چند گھڑیوں کے لیے بادل کے کسی آوارہ ٹکڑے کی طرح۔ میں ان میں سے نہ تو کسی پر عاشق ہوا اور نہ ان کے دل میں ہی میرے لیے پیار کی کوئی لہر ابھری۔ میں نے سکے ان کی طرف اچھالے اور اس کے عوض انھوں نے اپنا گداز جسم مجھے پیش کردیا اور میں حسب عادت کچھ دیران کے جسم کے نشیب و فراز سے کھیلا، جسم کی تپش کو سرد کیا اور پھر ضرورت پڑنے پر کسی نئے سڈول جسم کی تلاش شروع کردی۔ اس طرح کی زندگی گزارتے گزارتے اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ اور میں کہ پیار محبت اور چاہت جیسے لغو جذبات نے کبھی میرے دل کے ساگر میں ہلکورے پیدا نہیں کیے تھے مگر اس کی نگاہیں، وہ برق پاش نگاہیں تو میرے احساسات میں اتر گئیں۔ پہلی بار میں مسحور سا ہوگیا تھا۔

پہلی بار میں نے اُسے ہوٹل مون لائٹ میں دیکھا تھا۔

اس روز میں پہلی بار ہی وہاں گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس روز کوئی دل پسند جسم نہیں مل سکا تھا جبکہ بھوک اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایک دو عورتوں کو دیکھا تھا مگر ان کے جسم نہایت ہی پھسے اور دبلے تھے۔ میں جب تھکے تھکے قدموں سے واپس ہونے لگا تو غیر ارادی طور پر اس ہوٹل میں چلا آیا۔ وہاں میں نے اس لڑکی کو دیکھا، جو تنہا میز پر بیٹھی چائے کی چسکی لے رہی تھی۔ میں اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔

ایسے متناسب پرکشش اور سڈول جسم کی عورت میری نگاہوں سے کم ہی گزری تھی۔ چہرہ حسن کے اعتبار سے تو کوئی خاص چمک لئے ہوئے نہیں تھا لیکن بھرے اور گداز جسم کی بناوٹ سیکس کی طرف اپیل کرتی تھی۔ ایسے جسم پر چست لباس اور بھی قیامت بنا ہوا تھا کہ جسم کے سارے خطوط بول اٹھے تھے۔ نہ جانے کب تک میں اس کے جسم کے ان دلکش خطوط میں الجھا رہتا اگر بیرے نے بل لاکر میز پر نہ رکھ دیا ہوتا۔

اگلے دن میں پھر اسی وقت مون لائٹ میں جا بیٹھا، ایک موہوم سی امید پر کہ ایک بار پھر دل کی تپش سیراب ہو جائے۔ اس وقت امیدوں کے تمام دیے اپنی پوری آب و تاب سے روشن ہو گئے جب وہ ایک مستانہ ادا سے مچلتی ہوئی میری میز کے سامنے آ بیٹھی۔ جیسے مجھے سارے جہاں کی دولت مل گئی۔ اس دفعہ میں نے چائے کی چسکیوں کے ساتھ دز دیدہ نگاہوں سے دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اس کے خفا ہو جانے یا بگڑ جانے کے اندیشے کے پیش نظر میں پوری فراخ دلی سے اپنی نظروں کی پیاس نہ بجھا سکا۔ لیکن ہزار احتیاط کے باوجود یک بارگی ہماری نگاہوں کا تصادم ہو ہی گیا اور ہم کافی دیر تک اپنی نگاہیں نہ ہٹا سکے۔ آخر میں نے مجبوراً اپنی نگاہیں بچالیں لیکن جب تک میں وہاں بیٹھا رہا میں نے دیکھا کہ وہ برابر میری طرف جھکی جھکی نگاہوں سے دیکھتی رہی کیونکہ یہ ٹکراؤ قطعی اچانک نہ تھا، اس لیے میں کافی سراسیمہ تھا۔

اس وجہ سے زیادہ دیر بیٹھے بغیر میں اپنے گھر واپس چلا آیا گو اس کا گداز جسم میرے احساسات کے حصار سے نہ نکل سکا۔ مگر اس واقعہ کو میں نے محض اپنا وہم جان کر اس کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن کل وہ بڑی بے باکی سے میری طرف دیکھتی رہی اور مجھے ہی گھر آ کر وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ مگر آج میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں اس راز کو جان کر ہی رہوں گا۔

جیسے ہی وقت ہوا میں کپڑے بدل کر مون لائٹ پہنچ گیا لیکن جب میں نے اسے ہوٹل میں تلاش کیا تو میں کچھ مایوس اور اداس سا ہو گیا کیونکہ وہ ہوٹل میں نہیں تھی۔ میرے دل میں ایک عجیب سی ویرانی چھا گئی۔ احساسات پر جیسے برف سی گر گئی۔ میں نے کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح کرسی کی پشت پر اپنا سر ٹکا دیا اور آنکھیں موندلیں۔ خیالات پر ایک عجیب سی اکتاہٹ اور بے قراری مسلط ہو گئی تھی اور پھر کسی مانوس قدموں کی آہٹ پا کر میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ آنکھیں کھولیں تو سارے جسم میں ایک برقی رَو سی دوڑ گئی۔ وہ میری میز کے بالکل قریب آ کر میرے سامنے رکھی خالی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ میں نے بڑے بوکھلاتے ہوئے انداز میں اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ جیسے مجھے اپنی من چاہی منزل بنا جستجو اور کسی تلاش کے مل گئی ہو۔ آج حسن خود میرے قریب بیٹھا مجھے دعوت حسن دے رہا تھا۔ اس کے بعد وہ بہت دیر تک کچھ نہ بولی اور بیرے سے کافی لانے کو کہا۔ لیکن ایک بات میں برابر محسوس کر رہا تھا کہ اس کی خوبصورت اور چمکدار آنکھیں میری طرف جمی ہوئی تھیں جیسے وہ میرے اندر جھانک کر نہ معلوم کیا تلاش

کرنا چاہ رہی تھی۔ میری حالت یہ تھی کہ کوشش کے باوجود بھی میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا جیسے میری قوت گویائی سلب ہوگئی ہو۔ بات کا سرا ہزار کوششوں کے باوجود ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ وہ جیسے میرے زبان کھلنے کی منتظر تھی۔ ایک بار تو مجھے خود پر غصہ آیا یہاں تک کہ وہ بل ادا کر کے ہوٹل سے باہر نکل گئی۔ میں اس کے تعاقب میں تھا۔ ایک جگہ تیز تیز قدموں سے میں اس کے نزدیک پہنچا اور اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

''ذرا سنئے''

وہ ایک دم ٹھہر گئی۔

''کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں؟''

وہاٹ! وہ بڑے تیکھے لہجے میں بولی۔ میں اس کے خلاف توقع لہجے پر حیران رہ گیا۔ چند لمحے ہم دونوں کے درمیان خاموشی کی دیوار کھڑی رہی پھر اس نے اس دیوار کو خود گرا دیا۔

''آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ میں نے آپ کو کسی اور ہی نظر سے دیکھا تھا۔ شاید آپ اخبار نہیں دیکھتے۔''

''اخبار؟''

''جی اس میں بھوپال کے بدنام زمانہ ڈاکو لوک سنگھ کی ایک تصویر چھپی ہے جو بھیس بدل کر آج کل اس شہر میں رنگ رلیاں منا رہا ہے اور آپ کی صورت میں اس کی تصویر سے بڑی حد تک مشابہت ہے کہ شاید میں ہی پچاس ہزار کے انعام کی حقدار رہوں!''

□□□

مسعودؔ محمود آبادی
خیرآباد، سیتاپور-Mob.7379440730

غزل

کار آمد مرا احساسِ نظر ہے کہ نہیں
ڈھونڈتا ہوں میں جسے اس کو خبر ہے کہ نہیں

کب سے بیٹھا ہوں میں راہوں میں بچھائے پلکیں
سوچتا ہوں کہ ادھر ان کا گزر ہے کہ نہیں

ہم تو بیٹھے ہیں تری یاد میں کھوئے کھوئے
کون بتلائے شب غم کی سحر ہے کہ نہیں

اُس کی تقریر کے چرچے تو بہت ہیں لیکن
اس میں آدابِ تکلم کا ہنر ہے کہ نہیں

وار وہ اپنی نگاہوں سے بھی کر سکتا ہے
دشمن جاں کو مرے اس کی خبر ہے کہ نہیں

کتنے نادان ہیں یہ حسن کی دولت والے
عشق سے پوچھ رہے ہیں کہ جگر ہے کہ نہیں

ناز تھا جس پہ مسافت کو بھی اے مسعودؔ
زندگی کی یہ وہی راہ گزر ہے کہ نہیں

●●●

ندیم راعی مرادآبادی

گل شہید، مرادآباد-Mob.8188937127

نودو گیارہ

بیرون شہر سے بارات آنے والی تھی بارات کے بٹھانے کھلانے اور بارات کے لئے کھانا تیار کرنے کا نظم میری حویلی میں تھا میری حویلی کشادہ ہونے کی وجہ سے بستی کی چھوٹی بڑی تقریبات یہیں انجام دی جاتیں باراتیوں کے لئے بہترین کھانے کا نظم تھا کھانے سے قبل ناشتہ میں میوہ فروٹ، پکوڑیاں، پیس ٹی اور دال موٹھ کا انتظام تھا۔ بارات کی آمد دن ۱۱ر بجے طے تھی پہلے ناشتہ، نکاح، طعام اور پھر شام ۴ر بجے تک رخصتی کا شیڈول مرتب کیا تھا۔ دولہا اور باراتیوں کے لئے میرے آفس کے نیچے ہال نما کمرے میں ایک چھوٹا سا اسٹیج بنایا گیا تھا۔ جس کے سامنے کرسیاں بچھائی گئی تھیں اندرون حصے میں ناشتے و کھانے کا نظم تھا۔ میزبان نے تمام تیاریوں کو انجام دے لیا تھا اور اب بارات کی آمد کا انتظار تھا طے شدہ پروگرام کے تحت کھانا تیار کرا لیا گیا، تاکہ کسی طرح کی تاخیر نہ ہو سردی کے اس موسم میں پانچ بجے شام کے بعد اندھیری رات اپنا ڈیرہ ڈال لیتی ہے بجلی کی قلت اور محدود وسائل کے پیشِ نظر شام ہونے سے قبل ہی کھانا نکاح اور رخصتی کرنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔

بارات ۳ر بجے دوپہر، ۴ر گھنٹے تاخیر سے آ گئی تھی لہٰذا طے شدہ شیڈول یکسر تبدیل کرنا پڑا اور فوراً ہی باراتیوں کو کھانا پروس دیا گیا تاکہ کھانا مزید ٹھنڈا نہ ہو، کھانے کے بعد نکاح اور بوقت رخصتی ناشتہ......

تمام باراتی کھانے سے فارغ ہو گئے ماسوا نوشہ اور اس کے دونوں بہنوئی، ان تینوں کے روبرو جب کھانا پروسا گیا تو انھوں نے کھانا کھانے سے انکار کرتے ہوئے اصرار کیا کہ ''پہلے نکاح کر دیں پھر ہم کھانا کھائیں گے اور بتائیں گے کہ کھانا کیسے کھایا جاتا ہے'' میزبان نے مزید اصرار کرتے ہوئے کہا کہ پہلے کھانا کھالیں اس کے بعد فوراً نکاح ورنہ کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ لیکن وہ تینوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ اگر یہ صرف اتنا کہتے کہ پہلے نکاح پڑھا دیں اس کے بعد ہم کھانا کھالیں گے تو میزبان کو کسی طرح کی کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور ان کی بات مان کر نکاح پڑھوا دیا جاتا لیکن ان کا اس بات پر زور دینا...... ''اور بتائیں گے کہ کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔'' باعث تشویش تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دونوں بہنوئی اور نوشہ شراب پیے ہوئے تھے اور اسی کے نشے

میں اول جلول بول رہے ہیں۔

میزبان و عزیز و اقارب و برادری کے معزز افراد نے یہ فیصلہ لینے میں دیر نہیں کی کہ بارات کو بیرنگ واپس لوٹا دیا جائے اور ان شرابیوں کو پولس کے حوالے کر دیا جائے۔ براتیوں کے کچھ افراد نے میزبان کے ارادے بھانپ لئے تھے ان میں سے دو ذمہ دار براتیوں نے آفس میں میرے پاس آکر نکاح نہ کرنے کی شکایت کی میں نے لڑکی کے والد کو بلا کر سارا معاملہ معلوم کیا اور نیچے ہال میں جا کر براتیوں کو صاف صاف بتا دیا کہ اب انہیں بیرنگ واپس جانا پڑے گا میں نے براتیوں کے روبرو لڑکی والوں کا درد رکھا اور یہ المناک فیصلہ سنانے کی وجہ ان میں سے کچھ براتیوں کی شراب نوشی ،نوشہ کی بے راہ روی مزید یہ کہ نوشہ کی والدہ کا جہیز کو لے کر انگشت نمائی اور طرح طرح کی باتیں بنانے سے لڑکی کی والدہ بھی تم سب (براتیوں) سے خفا ہیں میں نے مزید کہا کہ یہ ان کے والدین کا کڑہ فیصلہ ہے جو اپنی بیٹی کے نکاح و رخصتی کے اس دن کے لئے لمحے لمحے کا انتظار کرتے ہیں۔ بیٹی کے دنیا میں آنے کے بعد سے ہی اس کے لئے جہیز کی اشیاء جوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ ہی لڑکی کی پرورش و تعلیم پر اپنی کمائی ہوئی ایک ایک پائی نچھاور کر دیتے ہیں۔ بڑی منتوں اور انتظار کے بعد یہ دن یعنی آج کا دن میسر آتا ہے اور اسی سنہرے دن، وہ اپنی بیٹی کو رخصت نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کے لئے محض اس لئے مجبور ہو گئے کہ نوشہ و نوشہ کی والدہ لالچی و گھٹیا واضح ہوئے ہیں۔ اب ان حالات میں اور ایسے افراد کو یہ اپنی نور نظر ،لخت جگر کیسے سونپ دیں جسے انھوں نے اپنا لہو پلا پلا کر پالا پوسہ اور بڑا کیا جس کی جائز و ناجائز ضرورتوں کو پورا کیا جس کے ناز و نخرے اٹھائے ہوں اپنی خواہشات کا قتل کر کے اس کی ہر خواہش کو پورا کیا ہو لہٰذا انہیں اپنی ناز و انداز سے پالی بیٹی کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا اور انھوں نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ ان کی بیٹی ایسے گھر میں خوش نہیں رہ پائے گی جہاں لالچ کا اژدہا پھن پھیلائے بیٹی سمیت انھیں بھی ڈسنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہے گا اور نہ ہی ایسے گھر میں اسے بھیجنا چاہیں گے جس گھر کے افراد شرابی و دیگر عیوب سے گھرے ہوں اس سے پہلے یہاں پولس آ جائے اور تم سب کو گرفتار کر کے لے جائے ایک ایک کر کے باری باری یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔

دیکھتے ہی دیکھتے باراتی ہال سے رفو چکر ہو گئے اور بعد نمازِ عشا پنچایت و معززین کے ذریعہ اس لڑکی کا نکاح برادری کے دلشاد نامی لڑکے سے کرا دیا گیا جو برات میں لاؤڈ اسپیکر و سجاوٹ کے ٹھیکیدار کا ملازم تھا۔ شریف مقدور بھر کمانے والا، خود کا مکان اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ وہ اسی بستی اسی محلّہ کا ساکن تھا۔

❑❑❑

سینئر ڈرامہ فنکار جناب للت سنگھ پوکھریا کے ساتھ ریڈیو جاکی و ریڈیو ٹکنالوجی
سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا و طالبات

ریڈیو جاکی و ریڈیو ٹکنالوجی سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا و طالبات تربیت حاصل کرتے ہوئے

U.P. Urdu Akademi

Khabarnama

उ.प्र. उर्दू अकादमी ख़बरनामा

اُتر پردیش اُردو اکادمی خبر نامہ

Vol. No. 52 May 2024 Issue No. 11

ایف ایم رین بو کے ریڈیو جاکی جناب انوار الحسن کے ساتھ ریڈیو جاکی و ریڈیو ٹکنالوجی
سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا و طالبات

آکاش وانی دہلی کے تکنیکی ڈپٹی ڈائرکٹر جناب سندیپ سری واستو کے ساتھ ریڈیو جاکی
و ریڈیو ٹکنالوجی سہ ماہی تربیتی کورس کے طلبا و طالبات